مسئلہ اذان واقامت کا
صحیح نظریہ

مصنفہ

مناظرِ اہلسنت فقیہ النفس
مفتی مطیع الرحمن رضوی

ناشر
القلم فاؤنڈیشن، سلطان گنج، پٹنہ ۶

"مسئلہ اذان واقامت" پہ تشکیک زدہ انسانوں کی خدمت میں ایک
علمی تحقیقی اور دعوت فکر وعمل دینے والی کتاب

بنام

مسئلہ اذان واقامت: صحیح نظریہ

مصنفہ

فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی

ناشر

القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ ٦

نام کتاب	:	مسئلہ اذان واقامت: صحیح نظریہ
مصنف	:	فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی
تاثرگرامی	:	امین شریعت مفتی عبدالواحد قادری
مقدمہ	:	ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد
صفحات	:	92
ناشر	:	القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ
سن اشاعت	:	2018
قیمت	:	150/روپے

کتاب حاصل کریں

بریلی شریف	:	مکتبہ رحمانیہ، درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف
مبارکپور	:	مکتبہ زمزم اکیڈمی، مبارک پور
لکھنو	:	مولانا گلزار احمد رضوی: مدرسہ اہل سنت نورالاسلام اکبرنگر، فیض آباد روڈ مہانگر لکھنو
سہسرام	:	دارالعلوم خیریہ نظامیہ، بارہ دری سہسرام
سیتامڑھی	:	فیضی کتاب گھر مہسول چوک سیتامڑھی بہار

اور دیگر تمام اہم مراکز سے

فہرست مضامین

تاثّرِ گرامی

امین شریعت حضرت مفتی عبدالواجد قادری مدظلہ العالی

نماز باجماعت پنجگانہ بہ شمول جمعہ کے لیے اذان سنّت مؤکدہ اور شعار اسلام ہے ،جس کا ثبوت خود شارع اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کے اقوال کریمہ اور فعل سے ہے۔ اور وہ عہد رسالت ہی سے مسجد کے باہر ہوتی رہی ہے۔ کسی طرح ثابت نہیں کہ خیر القرون میں کوئی اذان مسجد میں دی گئی ہو۔ جب علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الر شدین المھدیین امر مطاع موجود ہے، تو پھر کسی مطیع کو کس طرح اس کے خلاف عمل کی جرأت ہوسکتی ہے؟

مسائل مختلف فیہا بلکہ اجماعیہ متاخرہ میں بھی اس کے برخلاف بعض روایت کا مل جانا اس امر کی دلیل نہیں کہ اس کے سہارے اصل سنّت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام اور سنّت خلفاے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منھ موڑ لیا جائے اور سنّت ثابتہ کی مخالفت کی جائے۔ مولاے کریم بطفیل نبیِّ رؤف ورحیم علیہ التحیّۃ والتسلیم ایسے ناعاقبت اندیشانہ افکار واقدام سے بچائے ،آمین یاارحم الراحمین!

ہمارے عزیز مولانا ڈاکٹر امجد رضا صاحب امجد مفتی ادارۂ شرعیہ بہار نے مسائل اذان واقامت پر مشتمل فقیہ العصر حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب زید مجدہ کی ایک تحریر پُرتنویر بھیجی ہے جو دلائل شرعیہ سے مزین اور جزئیات فقہیہ سے مبرہن کوزے میں سمندر کو سمیٹ لینے کی مصداق ہے۔ اس کے مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت مفتی صاحب صرف اپنے مذہب حنفی ہی کے مفتی نہیں بلکہ مذاہب اربعہ کے وہ عظیم

اسکالر ہیں جن کو دوسرے برحق مذاہب کے فقہ پر بھی کافی عبور ہے۔ اس مختصر مگر جامع رسالہ میں انہوں نے دوسرے مذاہب حقہ کے فقہی جزئیات کو بھی اس حسن وخوبی کے ساتھ یکجا فرمادیا ہے جس سے مذہب حنفی کی حقانیت پوری طرح واضح ہوگئی ہے۔

عزیزی مفتی امجد رضا صاحب نے حضرت فقیہ العصر کے اس رسالۂ نافعہ واضحہ مدلّلہ پر فقیر ہیچمداں کی رائے معلوم کی ہے۔ جب کہ اس کے مصنف تو اس بحر کے ایسے تیراک ہیں جو اس کی پہنائیوں سے موتی نکال لیا کرتے ہیں۔ میں تو اس کے ساحل پر کھڑا موجوں کا تماشہ ہی دیکھ رہا ہوں۔ بھلا مجھے ان مسائل میں رائے زنی کی کیا مجال، جن کی تحقیق وتدقیق فقہائے اسلام، ائمہ مذاہب مجتہدین شریعت اور مجددین ملت نے فرمادی ہے۔

دریں صورت وماعلینا الا الاتباع کے سوا چارہ کیا ہے۔ ہاں! وہ دوسرے لوگ ہیں جو سنت ثابتہ کی اتباع سے انحراف اور تقلید ائمہ سے آزادی کو کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جن مقتداؤں کی علمی عظمتوں کا پھریرا وہ عوام کے سامنے اسٹیج پر لہراتے ہیں، ان ہی بزرگوں کے تحقیقی مسائل کے برخلاف اپنی تحقیق کی جدید عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے خودسر لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑیے، ہم مقلد مسلمان ہیں اور موجودہ دور میں اپنے اسلام کو سلامت رکھنے کے لیے تقلید ہی کی ضرورت ہے۔

حضرت فقیہ العصر کی سعی مشکور کے بعد مزید کسی تائید کی ضرورت نہیں ہے۔ بس مولائے کریم اپنے کرم سے اسے قبول فرمائے۔ آمین! وصلی اللہ تعالی علی النبی المطاع وآلہ وصحبہ وامتہ الاتقیاء۔

عبدالواجد قادری غفرلہ

بروز جمعہ ۲۳ فروری ۲۰۱۸ء

مقدمہ

استاذ گرامی حضرت فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی مدظلہ سیدنا حضور مفتیؒ اعظم قدس سرہ کے شاگرد و مرید اور خلیفہ و مجاز ہیں۔ حضور مفتیؒ اعظم نے ان کو سند حدیث وفقہ میں ''الولد الاعز'' تحریر فرمایا ہے۔ وہ مسلک رضا کے سچے داعی و مبلّغ ہیں، تمام اہل سنت کو اپنا دینی بھائی سمجھتے اور ان سے محبت رکھتے ہیں۔ فروعی مسائل میں اختلاف کو اس راہ اخوت و محبت میں رکاوٹ نہیں سمجھتے اگرچہ ترجیح وہ اسی کو دیتے ہیں جو امام احمد رضا اور حضور مفتی اعظم کے نزدیک راجح ہے۔

ابھی خانقاہ سید سراواں، جہاں کے مدرسین و متعلقین جیسے مولانا ذیشان، ناصر رام پوری اور نوشاد چشتی وغیرہ نے الکٹرانک میڈیا پہ دیوبندیوں کی تکفیر سے متعلق اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے خلاف منصوبہ بند تحریک چھیڑ رکھی ہے، وہاں سے ''اذان و اقامت کا معتدل نظریہ'' نام کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں جابجا امام احمد رضا پر طنز و تعریض کے نشتر چبھوئے گئے ہیں۔ تو میں نے اس کے چند اقتباسات نقل کر کے حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ حضور والا تو وہاں سے متعلق حسن ظن رکھتے ہیں اور کئی بار وہاں تشریف بھی لے جا چکے ہیں، مگر یہ اقتباسات ملاحظہ فرمایا جائے۔ جس پر آپ نے بروقت ایکشن لیا اور وہاں ایک مبسوط خط لکھا۔ خط کے کچھ اقتباسات یہ ہیں:

(۱) قرآن و حدیث نے ہمیں صراط مستقیم کی رہنمائی فرمائی ہے جس میں افراط کا موقع ہے نہ تفریط کی گنجائش۔ ضروریات دین، جن کا ثبوت قرآن کریم۔ یا۔ حدیث متواتر قطعی الدلالت بالمعنی الاخص۔ یا۔ اجماعی قطعی بالمعنی الاخص سے ہوتا ہے۔ ان میں سے کسی کا بھی

انکار کفر قطعی ویقینی ہے۔ جس شخص کو کسی کے تعلق سے اس انکار کا ثبوت افواہ بازاری سے نہیں بلکہ اپنے سماع یا خبر متواتر سے مل جائے اس شخص پر اس انکار کرنے والے کی تکفیر فرض ہے۔ یہاں تک کہ جو ایسے منکر کی تکفیر نہ کرے وہ بھی کافر ہے۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

(۲) اور ضروریات اہل سنّت، جن کا ثبوت قرآن کریم یا حدیث مشہور قطعی الدلالت بالمعنی الاعم یا اجماعی قطعی بالمعنی الاعم سے ہوتا ہے۔ ان میں کسی کا بھی انکار گمرہی ہے۔ جس شخص کو کسی کے تعلق سے اس انکار کا ثبوت افواہ بازاری سے نہیں بلکہ اپنے سماع یا خبر مشہور سے مل جائے، اس شخص پر اس انکار کرنے والے کو گمراہ سمجھنا ضروری ہے۔ اس پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے۔

(۳) چودھویں صدی ہجری میں جس کی سب سے زیادہ تبلیغ واشاعت کا فریضہ امام احمد رضا بریلوی نے انجام دیا اس لیے یہ مسلک عرف میں ان کے نام سے منسوب ہوا۔

(۴) الحمدللہ! کہ فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی اسی مسلک پر گامزن رہتے ہوئے حکم قرآنی:

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا"

(ترجمہ) اور اللہ کی رسّی مضبوط تھام لو سب مل کر، اور آپس میں پھٹ نہ جانا، اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا۔ تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے"۔

پر عمل پیرا ہے اور تمام اہل سُنت کو اپنا دینی بھائی سمجھتا ہے۔ فروعی

مسائل میں اختلاف، جیسے: قیام عند الفلاح، اذان فی المسجد اور سماع بالمز امیر وغیرہ کو اس اخوت و بھائی چارگی کی راہ میں کبھی بھی حائل نہیں ہونے دیتا۔

(۵) عزیزم مولانا امجد رضا نے ''مسئلہ اذان واقامت ایک معتدل نظریہ'' کے بعض اقتباسات بھیجے ہیں، جن میں ''فتاوی رضویہ'' کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ بات صرف تنقید کی حد تک رہتی تو میں آج ـــ یہ مکتوب لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا مگر ماتم تو اس کا ہے کہ ''مسئلہ اذان واقامت اک معتدل نظریہ'' میں نہ صرف کتابوں کی عبارتوں کے اختراعی مفہومات اخذ کیے گئے ہیں، بلکہ اس کے سہارے امام احمد رضا پر لعن وطعن کے جتنے تیر برسا سکتے تھے، برسادئے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(الف) جنہیں احیائے سنت کا شوق ہے وہ جمعہ کی دو اذانوں میں سے ایک اذان کو ہی سرے سے حذف ہونے کا بیرا اُٹھائیں الخ (ص ۵۳)۔

(ب) بعض لوگ **بین یدی الخطیب/المنبر** کے لفظ سے دھوکا کھا جاتے ہیں یا دھوکا دیتے ہیں کہ اس سے مراد مواجہت ہے۔ الخ (ص ۵۴، ۳۵)۔

(ج) ـــ ایسے شخص کا قبلۂ تفقہ گُم ہو گیا ہے۔ ایسے شخص کو چاہئے کہ پہلے وہ مقاصد شریعت کو سمجھے اور پھر اس کی مشروعیت کا جائزہ لے اور عہد رسالت سے لے کر اب تک اس میں کس طرح کی تبدیلیاں ہوئی ہیں اُن پر ایک نظر ڈالے تا کہ اسے مسئلہ کی پوری حقیقت سمجھ میں آجائے ورنہ امت کی اجتماعیت کو تار تار کرنے علاوہ اس سے کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ (ص ۵۵)۔

(د) بعض حضرات یہ شوشہ بھی چھوڑتے ہیں کہ اذان ذکر خالص نہیں ہے لہٰذا اس کو مسجد میں دینا درست نہیں (ص ۶۲)۔

(۶) اگر۔۔۔یہ فرمائیں کہ یہ کچھ عام سے مولویوں کے عمل کا ردعمل ہے۔تو عرض کروں گا کہ اگر تبرّائی شیعہ خلفائے ثلٰثہ کی شان میں گستاخی کریں،تو کیا جواباً آپ مولائے کائنات پر تبرّا کی اجازت دیں گے؟ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مقتدی کے جرم کی سزا مقتدا کو دی جائے ؟

حضرت مفتی صاحب کی زیر نظر کتاب ''اذان واقامت کا صحیح نظریہ'' جو سو سے زائد کتابوں کی سیکڑوں عبارتوں سے مزین ہے،اس کے پس منظر میں خانقاہ سید سراواں کی وہ کتاب ہے،جس میں دراصل ان کا اپنا کچھ بھی نہیں ہے،علمائے دیوبند نے بہت پہلے اس پر جو کچھ لکھا ہے اسی کو انداز بدل کر اپنے نام سے چھاپ دیا گیا ہے۔جن کے جوابات پہلے بھی دے دئے گئے ہیں اور حضرت مفتی صاحب نے بھی کوئی دقیقہ باقی نہیں رہنے دیا ہے۔خاص کر اقامت پر کھڑے ہونے کے مسئلہ میں خانقاہ سید سراواں سے آٹھویں یا نویں صدی ہجری کے عظیم حنفی فقیہ صاحب **مضمرات** کی ایک عبارت جسے بعد کے تمام فقہانے نقل کر کے مقرر ہی نہیں رکھا، بلکہ استدلال بھی فرمایا ہے۔اس کے سلسلہ میں ان کو جو الزام واتہام دیا ہے،اس کی پوری حقیقت واضح کی ہے،وہ حضرت مفتی صاحب ہی کا حصہ ہے۔سچ فرمایا ہے فرمانے والوں نے کہ:

> فقاہت یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے۔یوں تو ہر اعرابی ، ہر بدوی فقیہ ہوتا؛ کہ ان کی مادری زبان عربی ہے۔بلکہ فقہ بعد ملاحظۂ اصول مقررہ وضوابط محررہ،وجوہ تکلم وطرق تفاہم،وتنقیح مناط ولحاظ انضباط،ومواضع یسر واحتیاط،وتجنب تفریط واحتیاط،وفرق روایات ظاہرہ ونادرہ،وتمیز درآیات غامضہ وظاہرہ

، ومنطوق ومفہوم وصریح ومحتمل، وقول بعض وجمہور، ومرسل ومعلل، ووزن الفاظ مفتیین وسبر مراتب ناقلین، عرف عام وخاص وعادات بلاد واشخاص، وحال زمان ومکان واحوال رعایا وسلطان، وحفظ مصالح دین ودفع مفاسد مفسدین، وعلم وجوہ تجریح، واسباب ترجیح، ومناہج توفیق ومدارج تطبیق، ومسالک تخصیص ومناسک تقیید، ومشارع قیود وشوارع مقصود، وجمع کلام ونقد مرام وفہم مراد کا نام ہے کہ تطلع تام واطلاع عام، ونظر دقیق وفکر عمیق، وطول خدمت علم وممارست فن، وتیقظ وافی وذہن صافی، معتاد تحقیق موئید بتوفیق کا کام ہے۔

مگر آپ دونوں کے اسلوب بیان اور لب ولہجہ کو دیکھیں کہ خانقاہ جہاں ادب وتہذیب اور شائستگی کے ساتھ عاجزی وفروتنی کی تربیت دی جاتی ہی اور مدرسہ جس کے بارے میں ادعا ہے کہ:

مدرسہ میں کیا دھرا ہے اے پسر۔ جز خبر وہ بھی نہیں ہے معتبر

میں کتنا عظیم فرق ہے؟

اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کو جہاں اگلے بزرگوں سے علمی اختلاف ہوا ہے ، وہاں انہوں نے "تطفل" یعنی "بچکانہ گذارش" کا لفظ استعمال کر کے اپنے دلائل پیش کیے ہیں۔ مفتی صاحب نے ادب کا یہ انداز وہیں سے اخذ کیا ہے۔ اللہ تعالی ہم کو سب کو بزرگوں کے ادب کی توفیق عطا فرمائے آمین! امید ہے کہ مفتی صاحب کی اس کتاب "اذان واقامت کا صحیح نظریہ" کے مطالعہ سے اذان واقامت کے بارے میں لوگوں کی غلط فہمیوں کا غبار صاف ہوگا اور وہ حقیقتوں کا صاف چہرہ دیکھ سکیں گے۔

محمد امجد رضا امجد

پٹنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نماز کے لیے اوقات مقرر ہیں قرآن عظیم میں ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا۔ ترجمہ: بے شک نماز مسلمانوں پر مقرر کردہ وقتوں پر فرض ہے۔ (نساء، ۱۰۳) اس کی مشروعیت جماعت کے ساتھ ہے: وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ۔ ترجمہ: اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو (بقرہ، ۴۳) اور ایک ہی وقت میں کسی آبادی کے سارے لوگوں کا جمع ہوجانا مستبعد تھا تو اس کے لیے اذان مشروع ہوئی۔ والاذان شرع لاحضار الناس الی المسجد لاداء الصلاۃ۔ ترجمہ: اذان مشروع اسی لیے ہوئی کہ لوگوں کو نماز کی ادائے گی کے لیے مسجد میں حاضر کیا جائے۔ (فتاوی قاضی خاں ج ا ص ۴۶)

لغت میں اذان کے معنی خبر دینے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں مخصوص طور پر مخصوص الفاظ سے خاص (یعنی نماز کی) خبر دینے کو اذان کہتے ہیں۔

تنویر الابصار و درمختار برحاشیہ طحطاوی مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ دیوبند ج ا ص ۱۸۴ میں ہے:

(ھو) لغۃ الاعلام و شرعا (اعلام مخصوص علی وجہ مخصوص بالفاظ کذالک) ای مخصوصۃ۔ ترجمہ: اذان کے لغوی معنی خبر دینے کے، اور شرعی معنی مخصوص الفاظ میں مخصوص طریقے پر خاص خبر دینے کے ہیں۔

درمختار ہی میں ہے:

یعم الفائتۃ وبین الخطیب۔ عام ازیں کہ قضا نماز کی اذان ہو یا جمعہ کی وہ اذان جو خطیب کے سامنے ہوتی ہے،

بحر الرائق ج ۱ ص ۴۴۴ میں ہے:

سن الاذان للصلوٰت الخمس والجمعة سنة موكدة قوية قريبة من الواجب۔ یہ اذان پنج گانہ اور جمعہ کے لیے سنت موکدہ قریب بہ واجب ہے۔

اذان کا اصل مقصود:

خبر دینے کی اصل ضرورت چوں کہ غیر موجود لوگوں ہی کو ہوتی ہے ،موجود لوگوں کو نہیں، اس لیے فقہائے کرام نے تنصیص کی ہے کہ اذان سے اصل مقصود غیر موجود لوگوں کو اطلاع دینا ہے۔

فقہ حنفی کی معتمد کتاب "البحر الرائق" مطبوعہ زکریا بک ڈپو، دیوبند ج ۱ ص ۴۴۵ میں ہے:

ان المقصود منه الاعلام ولا يحصل بالاخفاء۔ ترجمہ: اذان سے مقصود لوگوں کو نما کی خبر دینا ہے جو آہستہ کہنے سے حاصل نہیں ہوتا ہے۔

اسی کے ۴۵۰ میں ہے:

الاذان فانه اعلام الغائبين۔ ترجمہ: اذان اُن لوگوں کو بلانے کے لیے ہے جو حاضر نہیں ہیں

اسی کے ص ۴۵۸ میں ہے:

انه لاعلام الغائبين۔ ترجمہ: اذان غیر موجود لوگوں کو خبر دینے کے لیے ہے۔

فقہ حنبلی کی معتمد کتاب "المبدع" ج ۲ ص ۲۸۱ میں ہے:

لانه اعلام الغائبين ترجمہ: اذان

غیر موجود لوگوں کی اطلاع کے لیے ہے۔

علامہ ابن الحاج مالکی کی ''مدخل'' ج ۲ ص ۲۰۷ میں ہے:

ان الاذان انما ھو نداء الی الصلاۃ و من ھو فی المسجد لا معنی لندائه، اذ ھو حاضر۔ ترجمہ: اذان تو نماز کے لیے ''بلاوے'' کا نام ہے اور جو مسجد ہی میں ہو، اس کو بلانے کے کوئی معنی نہیں؛ کیوں کہ وہ تو حاضر ہی ہے۔

اذان اونچی آواز سے کہی جائے:

یہی وجہ ہے کہ اذان کے لیے اونچی آواز کو لازم قرار دیا گیا۔ ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۶ باب ما جاء فی بدأ الاذان میں ہے:

قال لما اصبحنا اتینا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاخبرته بالرؤیا فقال ان ھذہ لرؤیا حق فقم مع بلال فانه اندی و امد صوتا منک فالق علیه ما قیل لک ولیناد بذالک۔ ترجمہ: راوی کہتے ہیں کہ جب میں نے اذان کے تعلق سے دیکھے ہوئے خواب کی بابت حضور سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: بے شک یہ سچّا خواب ہے۔ تم بلال کے ساتھ جاؤ؛ کیوں کہ اس کی آواز تم سے بلند تر ہے، تم اسے بتاتے جانا اور وہ اذان دے گا۔

عورت کے لیے اذان دینا کیوں مکروہ ہے:

فقہا فرماتے ہیں کہ عورت کو اذان دینا مکروہ ہے اس لیے کہ عورت کو آواز بلند کرنا جائز نہیں، اور پست آواز سے اذان دے تو اذان ہی نہیں ہوگی۔

''کنز الدقائق'' متن بحر الرائق میں ہے:

کرہ اذان امرأۃ۔ ترجمہ: عورت کے لیے اذان دینا مکروہ ہے۔

''البحر الرائق'' ج۱ ص۴۵۸ میں ہے:

واما اذان المرأة فلا نها منهية عن رفع صوتها۔ ترجمہ: عورت کو اذان دینا مکروہ اس لیے ہے کہ اسے آواز بلند کرنے کی ممانعت ہے۔

اسی کے ص۴۵۹ میں ہے:

ذكر في السراج الوهاج: اذا لم يعيدوا اذان امرأة فكانهم صلوا بغير اذان فلهذا كان عليهم الاعادة، وهو يقتضي عدم صحته۔ ترجمہ: سراج وہاج میں بیان کیا ہے کہ: جن لوگوں نے عورت کی اذان کا اعادہ کئے بغیر نماز پڑھ لی، گویا انہوں نے اذان کے بغیر ہی نماز پڑھ لی۔ یہ اس بات کی مقتضی ہے کہ عورت کی اذان ہوگی ہی نہیں۔

''العنایہ'' شرح ہدایہ مع الفتح مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ دیوبند ج۱ ص۲۵۹ میں ہے:

اذان امرأة لا تكون على وجه السنة بل على وجه البدعة لانها ان رفعت صوتها في اعلى موضع ارتكبت بدعة والا لم تؤذن على وجه السنة وترك وجه هٰذه السنة بدعة۔ ترجمہ: عورت اذان دے تو سنت طریقہ پر نہیں ہوگی، بدعت طریقہ پر ہوگی؛ کیوں کہ اونچی جگہ بلند آواز سے دے گی تو بدعت کا ارتکاب کرے گی۔ اور بلند آواز سے نہیں دے گی تو سنّت طریقہ پر نہ ہوگی، جب کہ سنت طریقہ کو ترک کرنا بدعت ہے۔

اذان اونچی جگہ سے دینا سنت ہے:

اسی لیے اذان کی خاطر بلند جگہ اختیار کی گئی تا کہ آواز دور تک پہنچے۔

مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الاذان، حدیث: ۲۱۱۸ میں ہے:

ان عبد الله بن زيد الانصاري جاء الى النبي صلى الله

علیہ و سلم، فقال: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ و سلم، رأیت فی المنام کان رجلا قام وعلیہ بُردان اخضران علی جذمۃ حائط فأذن۔ (ترجمہ) حضرت عبداللہ بن زید انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! میں نے خواب دیکھا کہ دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے ایک شخص نے دیوار کی منڈیر پر چڑھ کے اذان کہی۔

ابن سعد کی طبقات کبری ج ۸ ص ۴۲ مطبوعہ بیروت میں ہے:

النوار ام زید بن ثابت تقول: کان بیتی اطول بیت حول المسجد، فکان بلال یوذن فوقہ من اول ما اذن الی ان بنی رسول اللہ مسجدہ، فکان یوذن بعد علی ظہر المسجد وقد رفع لہ شئ فوق ظہرہ۔ (ترجمہ) زید بن ثابت کی والدہ نوار رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مسجد نبوی کے قریب میرا گھر سب گھروں سے اونچا تھا۔ بلال شروع سے اسی کے اوپر اذان دیتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنائی جس کی چھت پر تھوڑی سی جگہ اذان کے لیے اونچی کردی گئی، تو اس پر اذان کہنے لگے۔

حنفی فقہا کے ارشادات:

(۱) امام علاء الدین الکاسانی (ت ۵۸۷ھ) نے "البدائع الصنائع" مطبوعہ زکریا بکڈپو دیوبند ج ۱ ص ۳۶۹ میں فرمایا ہے:

فسنن الاذان فی الاصل نوعان: نوع یرجع الی اصل الاذان، و نوع یرجع الی صفات المؤذن۔ اما الذی یرجع الی نفس الاذان فانواع: منھا ان یظھر بالاذان فیرفع بہ صوتہ لان

المقصود وھو الاعلام یحصل بہ، الا تری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لعبد اللہ بن زید: علمہ بلالا فانہ اندی وامد صوتا منک۔ لھٰذا کان الافضل ان یوذن فی موضع یکون اسمع للجیران کالمئذنۃ ونحوھا۔ اذان کی سنتیں اصل میں دو طرح کی ہیں (۱) وہ سنتیں جو نفس اذان سے متعلق ہیں (۲) وہ سنتیں جو صفات مؤذن سے متعلق ہیں۔ نفس اذان سے متعلق ایک سنت یہ ہے کہ بلند آواز سے اذان کہی جائے؛ کیوں کہ اذان کا مقصد اعلام ہے اور وہ اسی سے حاصل ہوگا۔ کیا نہیں جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن زید سے فرمایا: بلال کو بتاؤ؛ کیوں کہ اس کی آواز تم سے بلند تر ہے۔ لہٰذا افضل یہ ہے کہ اذان ایسی جگہ سے دی جائے جہاں سے لوگ زیادہ سُن سکیں جیسے مئذنہ وغیرہ۔

(۲) ''فتاویٰ عالم گیری'' مطبوعہ زکریا بکڈ پو ج ۱ ص ۱۱۲ میں ہے:

والسنۃ ان یؤذن فی موضع عال یکون اسمع لجیرانہ ویرفع صوتہ۔ ترجمہ: سنت یہ ہے کہ اذان ایسی اونچی جگہ سے بلند آواز میں کہی جائے کہ پڑوس کے لوگ اچھی طرح سُن سکیں۔

فقہائے شافعی کے ارشادات:

(۱) حضرت علامہ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی (ت ۵۱۶) اپنی کتاب ''التھذیب'' میں فرماتے ہیں:

یؤذن علی مکان مرتفع لیکون صوتہ ابلغ الی الاسماع؛ کان بلال یؤذن علی ظھر بیت امرأۃ من بنی النجار بیتھا اطول بیت حول المسجد۔ ترجمہ: اذان اونچی جگہ

سے دی جائے گی تاکہ موذن کی آواز لوگوں تک اچھی طرح پہنچے؛ کیوں کہ حضرت بلال بنی نجار کی عورت کے اس گھر کی چھت پر اذان دیتے تھے، جو مسجد سے قریب کے مکانوں میں سب سے اونچا تھا۔

(۲) علامہ ابوالعباس نجم الدین احمد ابن الرافع شافعی (ت ۷۱۰) اپنی کتاب ''کفایة النبیه فی شرف التنبیه'' ج ۲ ص ۴۲۲ میں فرماتے ہیں:

المقصود منه الابلاغ، وهو اذا فعل علی موضع عال ابلغ۔ اذان کا مقصد لوگوں کو نماز کی اطلاع دینا ہے۔ اور اونچی جگہ سے دینے میں اچھی طرح اطلاع ہوگی۔

(۳) علامہ زین الدین احمد شافعی (ت ۹۸۷ھ) اپنی کتاب ''**فتح المعین**'' شرح ''**قرة العین بمهمات الدین**'' ص ۱۵۳ میں فرماتے ہیں:

سن۔ ---۔ ان یؤذن علی موضع عال ولو لم یکن للمسجد منارة سن بسطحه ثم ببابه۔ ترجمہ: سنت یہ ہے کہ اذان اونچی جگہ سے دی جائے۔ مسجد کے پاس منارہ نہ ہوتو سنت یہ ہے کہ سطح مسجد پر ہی دے، اس کی بھی صورت نہ ہوتو دروازۂ مسجد سے دے۔

مالکی فقیہ کا ارشاد:

(۱) حضرت علامہ موفق بن قدامہ اپنی کتاب ''**المقنع**'' میں لکھتے ہیں:

ویؤذن قائما متطهرا، علی موضع عال۔ ترجمہ: باوضو کھڑے ہو کر بلند جگہ سے اذان دی جائے۔

اذان جس جگہ دی جائے اس جگہ کو عربی زبان میں **مئذنه** کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفا کے زمانوں میں اس کی کوئی خاص شکل نہیں تھی۔ امیر معاویہ کے زمانے

ہیں اسے خاص شکل دی گئی اور منارہ سے تعبیر کیا گیا۔

طحطاوی علی المراقی مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ ص ۱۹۲ میں ہے:

والمئذنة بكسر الميم، و سكون الهمزة المنارة۔۔۔۔ كمافي المصباح وهي محل التاذين،۔۔۔۔۔ واول من احدثها بالمساجد سلمة بن خلف الصحابي رضي الله تعالى عنه، وكان اميرا على مصر في زمن معاوية۔ ترجمہ: مصباح میں ہے کہ: میم کے کسرہ اور ہمزہ کے سکون کے ساتھ **مِئذنہ** ہی **منارہ** ہے۔ یعنی اذان دینے کی جگہ۔ مسجدوں میں سب سے پہلے امیر معاویہ کے زمانہ میں امیر مصر سلمہ بن خلف صحابی نے بنوایا۔

چاروں مذہب میں ہر نماز کی اذان اونچی جگہ سے دینا سنت ہے:

ان روایتوں میں چوں کہ مطلق فرض نماز کی اذان کا تذکرہ ہے، کسی کی تخصیص نہیں۔ اس لیے فقہائے کرام نے بھی کسی کی تخصیص کئے بغیر **مئذنہ** اور **منارہ** پر اذان دینے کو سنت قرار دیا ہے۔

فقہائے احناف کے ارشادات:

(۱) "تبیین الحقائق" شرح کنز الدقائق مطبوعہ زکریا بک ڈپو ج ۱ ص ۲۴۶ میں ہے:

السنة ان يكون الاذان في المنارة۔ ترجمہ: سنت یہ ہے کہ اذان منارہ میں ہو۔

(۲) بحر الرائق ج ۱ ص ۴۵۴ میں علامہ ابن نجیم مصری نے بھی یہی فرمایا ہے:

السنة ان يكون الاذان في المنارة۔ ترجمہ: سنت یہ ہے کہ اذان منارہ میں ہو۔

مالکی عالم دین کا ارشاد:

علامہ ابن الحاج ابوعبداللہ محمد بن محمد عبدری فاسی نے (ستـــ ۷۳۷ھ) نے ''المدخل'' ج ۲ ص ۲۴۵، فصل ''فی النھی عن الاذان فی المسجد'' میں فرمایا ہے:

وقد تقدم ان للاذان ثلثة مواضع المنار وعلی سطح المسجد وعلی بابہ۔ ترجمہ: یہ بات پہلے بیان ہوچکی کہ اذان کہنے کی تین جگہیں ہیں (۱) منارہ (۲) مسجد کی چھت (۳) مسجد کا دروازہ۔

چاروں مذاہب حقہ:

علامہ عبدالرحمٰن جزیری کی ''الفقہ علی المذاہب الاربعة'' ج ۱ ص ۶۸۶ میں ہے:

ان یؤذن بمکان عال کالمنارة وسقف المسجد۔

ترجمہ: اذان اونچی جگہ سے دی جائے جیسے منارہ اور مسجد کی چھت۔

اسی لیے فقہائے عظام نے کسی بھی نماز کی اذان کو خاص کئے بغیر عمومی طور پر مسجد میں اذان دینے سے ممانعت فرمائی ہے۔

فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ دیوبند ج ۱ ص ۵۱، بحرالرائق ج ۱ ص ۴۴۴، فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۲ میں ہے:

لا یؤذن فی المسجد۔ نماز کی کوئی اذان مسجد میں نہ دی جائے

خاص جمعہ کی اذان:

جمعہ کی اذان، جس کا بیان قرآن کریم کے سورۂ جمعہ کی آیت ۹ میں ہے:

اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ

۔ترجمہ: جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو تو اللہ کے ذکر کے لیے دوڑ پڑو''

اس کے تعلق سے بخاری شریف ج ۱ ص ۱۲۴ میں جو حدیث محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی

ذئب نے اپنے استاذ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری سے بحوالہ حضرت سائب بن یزید روایت کی ہے

"کان النداء یوم الجمعة اولہ اذا جلس الامام علی المنبر علی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر۔ (ترجمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر کے زمانوں میں امام جب منبر پر بیٹھ جاتے تو اذان ہوتی"

اس روایت میں اگرچہ یہ بیان نہیں ہوا ہے کہ یہ اذان کہاں ہوتی تھی؟ مگر ابوداؤد شریف میں محمد بن اسحاق نے اپنے استاذ محمد بن شہاب الزہری سے بحوالہ صحابی رسول سائب بن یزید روایت کی ہے:

"قال: کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالی عنهما۔ (ترجمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر کے زمانوں میں امام جب منبر پر بیٹھ جاتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی"

اس روایت میں ہے کہ یہ اذان امام کے سامنے، مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔

تفسیر جلالین ص ۴۶۰ کے حاشیہ پر ہے:

المراد به الاذان عند قعود الامام علی المنبر، وذالک لانه لم یکن فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نداء سواہ، فکان له مؤذن واحد، اذا جلس صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر اذن علی باب المسجد، فاذا نزل اقام الصلاة، ثم کان ابوبکر وعمر وعلی بالکوفة علی ذالک الخ۔ ترجمہ: اس ندا سے مراد امام کے منبر پر بیٹھتے وقت کی اذان ہے؛ کیوں کہ عہد رسالت

میں اس کے سوائے کوئی اور اذان تھی ہی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی مؤذن تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوتے ،تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان کہتے ، جب حضور منبر سے اترتے تو مؤذن اقامت کہتے۔ پھر ابوبکر و عمر اور کوفہ میں علی رضی اللہ عنہم بھی اسی طریقے پر عمل کرتے رہے۔

تفسیر صاوی ج ٦ ص ١١١ میں ہے:

(واذا نودی للصلاۃ) المراد به الاذان عند جلوس الخطیب علی المنبر، وذالک لانه لم یکن فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نداء سواہ، فکان له مؤذن واحد، اذا جلس صلی اللہ علیه وسلم علی المنبر اذن علی باب المسجد، فاذا نزل اقام الصلاۃ، ثم کان ابوبکر وعمر وعلی بالکوفة علی ذالک الخ۔ ترجمہ: اس "ندا" سے مراد امام کے منبر پر بیٹھتے وقت کی اذان ہے؛ کیوں کہ عہد رسالت میں اس کے سوائے کوئی اور اذان تھی ہی نہیں۔ آپ صلی اللہ کے ایک ہی مؤذن تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوتے تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان کہتے، جب حضور منبر سے اترتے تو مؤذن اقامت کہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر و عمر اور کوفہ میں علی رضی اللہ عنہم بھی اسی طریقے پر عمل کرتے رہے۔

علامہ خازن تفسیر لباب التاویل مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت (۷۲۵ھ) ج ۴ ص ۲۹۰ میں لکھتے ہیں:

(اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعة) ---- اراد بهذا النداء الاذان عند قعود الامام علی المنبر للخطبة لانه لم یکن فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه

و سلم نداء سواه، كان اذا جلس صلى الله عليه و سلم على المنبر اذن بلال۔۔۔۔ ولا بی داؤد قال: كان يؤذن بين يدى النبى صلى الله عليه و سلم اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد۔ ترجمہ: اس "ندا" سے مراد خطبہ کے لیے امام کے منبر پر بیٹھتے وقت کی اذان ہے؛ کیوں کہ عہد رسالت میں جمعہ کے لیے اس کے سوائے کوئی اور اذان تھی ہی نہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوتے تو حضرت بلال اذان کہتے۔۔۔۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ بار ہوتے تو حضرت بلال آپ کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان دیتے۔

امام رازی شافعی تفسیر کبیر ج ۳۰ ص ۵۴۲ میں فرماتے ہیں:

وقوله تعالى: اذا نودى يعنى النداء اذا جلس الامام على المنبر يوم الجمعة وهو قول مقاتل، وانه كما قال؛ لانه لم يكن فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم نداء سواه، كان اذا جلس عليه الصلاة والسلام على المنبر اذن بلال على باب المسجد، وكذا على عهد ابى بكر وعمر۔ ترجمہ: "اذا نودى" سے جمعہ کے دن امام کے منبر پر بیٹھتے وقت کی اذان مراد ہے۔ اور بے شک یہی مراد ہے؛ کیوں کہ عہد رسالت میں جمعہ کے لیے اس کے سوائے کوئی اور اذان تھی ہی نہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر رونق افروز ہوتے تو حضرت بلال مسجد کے دروازے پر اذان کہتے۔ ابوبکر وعمر کے زمانوں میں بھی ایسا ہی ہوا۔

تفسیر کشاف ج ۶ ص ۱۱۲ میں ہے:

المراد به الاذان عند قعود الامام على المنبر وقد كان

لرسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم موذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد ۔۔۔۔۔۔ فاذا نزل اقام للصلاۃ ثم کان ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما علی ذالک ۔ترجمہ: اس سے مراد امام کے منبر پر بیٹھتے وقت کی اذان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی مؤذن تھے جو آپ کے منبر پر جلوہ افروزی کے بعد مسجد کے دروازے پر اذان دیتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترتے تو وہ اقامت کہتے۔ حضرت ابوبکر وعمر کے زمانوں میں بھی ایسا ہی ہوا۔

تفسیر غرائب القرآن معروف بہ تفسیر نیشاپوری ج ۶ ص ۳۰۰ میں ہے:

و قدکان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم موذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام للصلاۃ الخ۔ ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی موذن تھے جو آپ کے منبر پر جلوہ افروزی کے بعد مسجد کے دروازے پر اذان دیتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترتے تو وہ اقامت کہتے۔ حضرت ابوبکر وعمر کے زمانوں میں بھی ایسا ہی ہوا۔

تفسیر بحر المحیط لابی حیان ۸ ص ۲۶۵ میں ہے:

وکان الاذان عند قعود الامام علی المنبر وکذالک کان فی زمان الرسول علیہ السلام کان اذا صعد علی المنبر اذن علی باب المسجد۔ ترجمہ: امام کے منبر پر بیٹھتے وقت اذان ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ پاک میں ایسا ہی ہوتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو مسجد کے دروازے پر اذان دی جاتی۔

تفسیر سراج المنیر ج ۴ ص ۲۸۵، ۲۸۴ میں ہے:

(واذا نودی للصلاۃ) المراد به الاذان عند جلوس الخطیب علی المنبر، وذالک لانه لم یکن فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم نداء سواه، فکان له مؤذن واحد، اذا جلس صلی الله علیه وسلم علی المنبر اذن علی باب المسجد، فاذا نزل اقام الصلاۃ، ثم کان ابو بکر وعمر وعلی بالکوفة علی ذالک الخ۔ ترجمہ: اس ندا سے مراد امام کے منبر پر بیٹھتے وقت کی اذان ہے؛ کیوں کہ عہد رسالت میں اس کے سوائے کوئی اور اذان تھی ہی نہیں۔ آپ صلی اللہ کے ایک ہی مؤذن تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوتے تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان کہتے، جب حضور منبر سے اترتے تو اقامت کہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر وعمر اور کوفہ میں علی رضی اللہ عنہم بھی اسی طریقے پر عمل کرتے رہے۔

تفسیر جمل ج ۴ ص ۳۴۳ میں ہے:

المراد به الاذان عند قعود الخطیب علی المنبر؛ لانه لم یکن فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم نداء سواه، فکان له موذن واحد، اذا جلس صلی الله علیه وسلم علی المنبر اذن علی باب المسجد، فاذا نزل اقام الصلاۃ، ثم کان ابو بکر وعمر وعلی بالکوفة علی ذالک الخ۔ ترجمہ: اس ندا سے مراد خطیب کے منبر پر بیٹھتے وقت کی اذان ہے؛ کیوں کہ عہد رسالت میں اس کے سوائے کوئی اور اذان تھی ہی نہیں۔ آپ صلی اللہ کے ایک ہی مؤذن تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوتے، تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان کہتے، جب حضور منبر سے اترتے تو اقامت کہتے۔ پھر ابوبکر وعمر اور کوفہ میں علی رضی اللہ عنہم بھی اسی طریقے پر عمل کرتے رہے۔

کشف الغمہ للشعرانی میں ص ۲۱۰، ۲۱۱ ہے:

ولم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مکان التجمیع غیر مؤذن واحد یوذن اذا جلس النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر ویقیم اذا نزل وکان الاذان علی باب المسجد۔ ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی مؤذن تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوتے تو مؤذن اذان دیتے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اترتے تو وہ اقامت کہتے۔ یہ اذان مسجد کے دروازے پر ہوا کرتی۔

لیکن، جن حضرات تک محمد بن اسحق کی یہ روایت نہیں پہنچی۔ یا۔ پہنچی تو انھوں نے اسے محمد بن مسلم کے دوسرے شاگردوں کے برخلاف محمد بن اسحاق کی زیادتی سمجھ کر قابل عمل نہیں گردانا، امام کے سامنے اذان ہونے اور دروازہ پر دیئے جانے کو تسلیم نہیں کیا۔ ان کے نزدیک یہ اذان بھی دوسری اذانوں کی طرح مسجد کی چھت۔ یا۔ سطح ہی سے ہوتی رہی، جس کو انھوں نے منارہ سے تعبیر کیا۔

(۱) مالکی عالم دین علامہ ابن الحاج ابوعبداللہ محمد بن محمد بن محمد عبدری فاسی نے (ت ۷۳۷ھ) نے مدخل ج ۲ ص ۲۰۸ میں لکھا ہے:

"ان السنۃ فی اذان الجمعۃ اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار، کذالک کان علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافۃ عثمان رضی اللہ عنھم۔ (ترجمہ) جمعہ کی اذان میں سنت یہ ہے کہ امام منبر پر چڑھے تو مؤذن منارے پر ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنھم کے ابتدائی دور خلافت میں ایسا ہی تھا۔

(۲) پھر اسی میں فرمایا ہے:

Scanned by CamScanner

الاذان ـــــ كان على المنار حين صعود الامام على المنبر على عهد النبی صلی الله عليه وسلم وابی بكر وعمر الخ۔ ترجمہ: اذان ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر وعمر کے عہد میں منارے پر اس وقت ہوتی تھی جب خطیب منبر پر ہوتے تھے۔

(۳) مالکی عالم دین علامہ زرقانی نے اپنے ہم مذہب مالکی عالم دین علامہ قسطلانی کی "مواہب اللدنیہ" کی شرح ج ۱۰ ص ۳۹۴ میں فرمایا ہے:

(قال الشيخ الخليل) ابن اسحاق (فی التوضيح) شرحه على ابن الحاجب: (اختلف النقل هل كان يؤذن بين يديه عليه الصلاة والسلام او على المنار؟ الذی نقله اصحابنا انه كان على المنار نقله ابن القاسم) عبدالرحمن (عن مالك فی المجموعة) اسم كتاب (ونقل ابن عبدالبر فی كافية) اسم كتاب له فی الفقه (عن مالك ان الاذان بين يدی الامام ليس من الامر القديم) ترجمہ: "شیخ خلیل" بن اسحاق نے "التوضیح" شرح "ابن الحاجب" میں فرمایا ہے: یہ اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی یا منارہ پر؟ اس بارے میں نقل مختلف ہے۔ ہمارے اصحاب نے نقل کیا ہے کہ یہ اذان منارہ پر ہوتی تھی۔ ابن القاسم عبدالرحمٰن نے "المجموعہ" میں اور ابن عبدالبر نے "کافية فی الفقه" میں امام مالک کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ: امام کے سامنے اذان ہونا امر قدیم نہیں ہے۔

(۴) مالکی عالم دین علامہ شیخ یوسف بن سعید بن اسماعیل حاشیہ سفطی "علی شرح ابن [illegible]ل علی العشماویہ" مطبوعہ قاہرہ ص ۱۵۳ میں لکھتے ہیں:

کان الاذان علی المنارة فی الزمن القدیم وعلیه اهل المغرب الی الآن۔ ملتقطاً۔ زمانۂ قدیم میں یہ اذان منارہ پر ہوتی تھی، اہل مغرب کا تو ابھی تک اسی پر عمل ہے۔

(۵) ابوعمر یوسف ابن عبدالبر مالکی (ت ۴۶۳ھ) نے "الکافی فی فقه اهل المدینة" ج ۱ ص ۲۵۰ میں فرمایا ہے:

والاذان الواجب لها: اذا جلس الامام علی المنبر، فان اذن مؤذن فی صومعة واذن غیره بین یدی الامام فلا بأس لانه قدعمل به قدیمافی المدینة۔ والاذان الثانی: اوکدمن الاول وعنده یحرم البیع۔ وقدقیل: لایجوز البیع من وقت جلوس الامام علی المنبر حتی تصلی الجمعة وروی ابن نافع عن مالک: قال: لا بأس بالبیع والشراء بعدالتأذین الاول من یوم الجمعة لانه انماکان تأذینان فزیدالثالث وانمایکره البیع والشراء بعدالتأذین الذی بعدقعودالامام ترجمہ: جمعہ کے لیے وہ اذان واجب ہے جو امام کے منبر پر بیٹھتے وقت ہوتی ہے۔ جس مؤذن نے اذان گاہ میں اذان دی ہے، اس کی بجائے دوسرا شخص امام کے سامنے اذان دے تو حرج نہیں؛ کیوں کہ یہ مدینہ منورہ کا قدیم معمول ہے۔ دوسری اذان کی تاکید زیادہ ہے اور اسی وقت سے خرید وفروخت ناجائز ہے۔ بے شک کہا گیا ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت سے لے کر ختم نماز تک خرید وفروخت ناجائز ہے۔ ابن نافع نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ جمعہ کے دن پہلی اذان کے بعد خرید وفروخت کرنے میں حرج نہیں۔ کیوں کہ پہلے اقامت اور ایک ہی اذان تھی۔ بعد میں ایک اذان کا اضافہ ہوا۔ تو خرید وفروخت کی کراہت اسی اذان کے بعد سے ہے

جوامام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد ہوتی ہے۔

(۶) پھر فرمایا ہے:

قال ابن القاسم: سألت مالکا غیر مرۃ فقال: انما ھو التأذین الذی ھو بعد قعود الامام وھو فی سائر النھار قبل و بعد جائز۔ والخطبۃ یوم الجمعۃ قبل الصلاۃ خطبتان یفصل بینھما بجلسۃ خفیفۃ قدر ما یقرأ "قل ھو اللہ احد" ویجلس فی اول الخطبۃ منتظر اللاذان من بین یدیہ۔ وقال مالک: الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم۔۔۔۔۔۔۔۔ ابن القاسم نے کہا ہے کہ میں نے اسے امام مالک سے بارہا پوچھا، ہر مرتبہ آپ نے یہی جواب دیا کہ خرید وفروخت کی کراہت امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد والی اذان کے وقت سے ہے۔ اس سے پہلے بھی جائز ہے اور بعد میں بھی ۔۔۔۔۔۔۔ اور امام مالک نے فرمایا کہ امام کے سامنے اذان دینا قدیم کا معمول بہ نہیں ہے۔

اور جن حضرات تک محمد بن اسحاق کی یہ روایت پہنچی اور انہوں نے اُن کو قابل اعتماد سمجھ کر ان کی اِس زیادتی کو قبول فرمایا، انہوں نے اِس اذان کا امام کے سامنے مسجد کے دروازہ پر ہونے کو تسلیم کیا۔

مالکی فقیہ علامہ محمود بن محمد بن احمد بن خطاب السبکی الازہری ۱۲۷۴۔۱۳۵۲ھ کی "المنہل العذب المورود شرح سنن ابی داؤد" مطبع الاستقامۃ، قاہرہ ج ۶ ص ۲۴۷ میں ہے:

الغرض الذی زاد سیدنا عثمان الاذان لاجلہ وھو انہ لما کثر الناس وانتشرت المنازل کان من عند الزوراء لا یسمع

الاذان الذی عند المسجد زاداذانا علی الزوراء لاسماعهم فاذااجتمع الناس فی المسجد وجلس الخطیب علی المنبر اذن المؤذن ثانیا خارج المسجد علی الباب اوعلی السطح کماکان فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وهذاالغرض الذی احدث الاذان الثانی من اجله فی زمن سیدناعثمان رضی اللہ عنہ۔ ترجمہ: حضرت عثمان نے زورامیں ایک اذان کا اضافہ اس لیے کیا تھا کہ لوگ بڑھ گئے تھے اوران کے گھر دور تک پھیل گئے تھے، جولوگ زوراکے پاس تھے وہ مسجد کی اذان سن نہیں پاتے تھے۔ تو آپ نے ان کو خبردار کرنے کے لیے زوراپر اذان دلوائی۔ پس جب لوگ مسجد میں جمع ہوجاتے اور خطیب منبر پر بیٹھ جاتا تو موذن دوبارہ مسجد سے باہر دروازہ پر۔ یا۔ چھت پر جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر کے زمانوں میں ہوتی تھی، اذان دیتا۔ الغرض اسی مقصد سے حضرت عثمان نے دوسری اذان دلوائی تھی۔

احناف کے نزدیک چوں کہ محمد ابن اسحاق ثقہ اور معتمد ہیں امام ابویوسف نے ان کی شاگردی اختیار کی ہے حتی کہ کتاب الخراج ص ۷، ۹، ۱۹، ۲۰ میں ان کی روایت کردہ حدیثوں سے احتجاج کیا ہے۔ اور مجتہد کا کسی راوی کی روایت سے استدلال کرنا اس راوی کی توثیق ہے جیسا کہ مسند امام اعظم ص ۲۴ کے حاشیہ میں ہے:

قدحقق ابن القیم فی زادالمعادان اخذالامام العدل روایة عن رجل توثیق له معتبر۔ ترجمہ: ابن قیم نے زادالمعاد میں ثابت کیا ہے کہ امام عادل کا کسی کی روایت قبول کرنا اس کو ثقہ ماننا اوران پر اعتبار کرنا ہے۔

بلکہ عظیم محدث وفقیہ، بالغ رتبۂ اجتہاد امام ہمام نے فتح القدیر ج۱ ص ۲۰۰ میں

مرا۱۷۱ — ان کی توثیق فرمائی ہے:

توثیق ابن اسحٰق وھو الحق الابلج ۔ترجمہ: ابن اسحاق کو ثقہ ماننا ہی حق واضح ہے۔

ص ۳۵۸ میں فرمایا ہے:

ابن اسحٰق ثقة علی ماھو الحق وقدمناہ فی ابواب الطھارۃ ۔حق یہی ہے کہ ابن اسحاق ثقہ ہیں جیسا کہ ہم پہلے ہی ابواب طہارت میں بیان کر چکے۔

ص ۳۷۰ میں فرمایا ہے:

اما ابن اسحٰق فثقة ثقة لا شبھة عندنا فی ذالک ولا عند محققی المحدثین ۔ ابن اسحاق ثقہ ہیں ثقہ ہیں ہمارے نزدیک اس میں کوئی شبہ نہیں، یوں ہی محدثین محققین کے نزدیک بھی کوئی شبہ نہیں۔

ردالمحتار ج ۷ ص ۶۴ میں ہے:

ان المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا له کما فی التحریر وغیرہ ۔ترجمہ: مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس حدیث کو صحیح قرار دینا ہے، جیسا کہ تحریر وغیرہ میں ہے۔

اس لیے احناف یہ مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر کے زمانے میں یہ اذان امام کے سامنے مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔

الغرض اذان جہاں سے بھی ہوئی ہو، دیوار مسجد۔یا۔اس کی چھت۔یا۔مسجد کا دروازہ۔یا۔کوئی بھی بلند جگہ، وہی مئذنہ اور منارہ ہے، اور عہد نبوی وعہد صحابہ میں ہمیشہ ان ہی جگہوں سے اذان ہوتی رہی ہے۔اس کے برخلاف ایک بھی ایسی روایت نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ عہد نبوی یا دورِ صحابہ میں کبھی مسجد کے اندر اذان کہی گئی

ہو۔ جب کہ دیوار کی منڈیر ہو۔ یا۔ مکان کی چھت، مسجد کا دروازہ ہو۔ یا۔ اس کی چھت
،سبھی مسجد شرعی یعنی نماز کے لیے متعین کردہ جگہ سے خارج ہیں۔

مسجد کے باہر اذان دینا سنت اور اندر دینا بدعت و مکروہ ہے

تو متفقہ طور پر ثابت ہوا کہ خارج مسجد سے اذان کہنا سنت، اور مسجد کے اندر اذان کہنا سنت کے برخلاف بدعت و مکروہ ہے۔

فقہائے احناف کے ارشادات:

(۱) جامع الرموز مطبوعہ کلکتہ ج ۱ ص ۶۹ میں ہے:

انه يؤذن فى موضع عال وهو سنة كمافى القنية و بان لايؤذن فى المسجد فانه مكروه كمافى النظم ۔ ترجمہ: اذان اونچی جگہ سے دی جائے، یہی سنت ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے؛ کیوں کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے۔

(۲) طحطاوی علی المراقی ص ۱۹۷ میں ہے:

يكره ان يؤذن فى المسجد كمافى القهستانى عن النظم ، فان لم يكن ثمه مكان مرتفع للاذان يوذن فى فناء المسجد كمافى الفتح ۔ نظم کے حوالہ سے قہستانی میں ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے۔ کسی مسجد میں، اذان کے لیے اونچی جگہ میسر نہ ہو تو فنائے مسجد میں اذان دی جائے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

(۳۔۴) شارح ہدایہ علامہ اتقانی نے "**غاية البيان**" اور محقق ابن ہمام نے "**فتح القدير**" مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ ج ۲ ص ۵۶ میں خاص باب جمعہ کے اندر فرمایا ہے:

هو ذكر الله فى المسجد اى فى حدوده لكراهة الاذان فى

داخلہ۔ ترجمہ: اذان مسجد میں اللہ کا ذکر ہے، یعنی مسجد کے حدود میں کیوں کہ مسجد کے اندر تو اذان مکروہ ہے۔

مالکی فقہا کے ارشادات:

(۱) علامہ ابن الحاج مالکی علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور کتاب مدخل ج ۲ ص ۲۴۵، ۲۴۶ میں فرمایا ہے:

وقد تقدم ان للاذان ثلثة مواضع المنار وعلی سطح المسجد وعلی بابه۔ واذاکان ذالک کذالک فیمنع من الاذان فی جوف المسجد لوجوه احدهاانه لم یکن من فعل من مضی ــــــــ الثانی ان الاذان انماهو نداء للناس لیأتواالی المسجد ومن کان فیه فلا فائدة لندائه لان ذالک تحصیل حاصل، ومن کان فی بیته فانه لایسمعه من المسجد غالبا۔ واذاکان الاذان فی المسجد علی هذه الصفة فلا فائدة له و مالیس فیه فائدة یمنع ۔ ترجمہ: یہ بات پہلے بیان ہو چکی کہ اذان کہنے کی تین جگہیں ہیں (۱) منارہ (۲) مسجد کی چھت (۳) مسجد کا دروازہ۔ اور جب ایسا ہے تو مسجد کے اندر اذان کہنا کئی وجہوں سے ممنوع ہوگا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا پہلے کے لوگوں سے ثابت نہیں ـــــــ دوسری وجہ یہ ہے کہ اذان کا مقصد لوگوں کو مسجد میں بلانا ہے۔ تو جو پہلے ہی سے مسجد میں ہے اسے بلانے کا کوئی فائدہ نہیں کہ یہ تحصیل حاصل ہے اور جو گھر میں ہوگا وہ بالعموم مسجد کے اندر کی آواز سن نہیں پائے گا۔ غرض مسجد کے اندر اذان دینے میں جب ایسا ہوگا تو اذان دینا بے فائدہ ہو جائے گا۔ اور جس کام

میں فائدہ نہ ہو وہ ممنوع ہوگا۔

(۲) پھر ص ۲۰۸ پر فرمایا ہے:

ان السنة فی اذان الجمعة اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون الموذن علی المنار، کذالک کان علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافة عثمان رضی الله عنهم ------ ثم زاد عثمان بن عفان رضی الله عنه اذانا آخر بالزوراء وهو موضع بالسوق لما ان کثر الناس وابقی الاذان الذی کان علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المنار والخطیب علی المنبر اذذاک ثم انه لما ان تولی هشام بن عبدالملک اخذ الاذان الذی فعله عثمان بن عفان رضی الله عنه بالزوراء وجعله علی المنار وکان الموذن واحدا یوذن عند الزوال ثم نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الام علی المنبر علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافة عثمان رضی الله عنهم، بین یدیه۔ وکانوا یوذنون ثلاثة فجعلهم یوذنون جماعة ویستریحون۔ قال علمائنا رحمة الله علیهم: وسنة النبی صلی الله علیه وسلم اولی ان تتبع۔ فقد بان ان فعل ذالک فی المسجد بین یدی الخطیب بدعة وان اذانهم جماعة ایضا بدعة اخری۔ فتمسک بعض الناس بهاتین البدعتین وهما مما احدثه هشام بن عبدالملک کما تقدم۔ ثم تطاول الامر علی ذالک حتی صار بین الناس کانه سنة معمول بها۔ (ترجمہ) جمعہ کی اذان میں سنت یہ ہے کہ امام جب ممبر پر چڑھے

تو موذن منارے پر ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنھم کے ابتدائی دور خلافت میں ایسا ہی تھا۔۔۔۔۔۔ پھر جب لوگ بڑھ گئے تو حضرت عثمان نے ایک اذان مقام زورا میں دلوائی۔ اور وہ اذان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر کے عہد میں منارے پر اس وقت ہوتی تھی جب خطیب منبر پر ہوتے تھے، اسے باقی رکھا۔ پھر جب ہشام بن عبدالملک کی حکومت ہوئی، تو وہ اذان جسے عثمان رضی اللہ عنہ نے بازار میں مقام 'زورا' پر دلوائی تھی، اسے منارے پر کر دیا اور ایک ہی موذن سورج ڈھلنے پر اذان دینے لگا۔ پھر وہ اذان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنھم کے ابتدائی دور خلافت میں امام کے ممبر پر آنے کے وقت منارے پر ہوتی تھی، امام کے سامنے کر دیا۔۔ تین موذن تھے جو ایک ساتھ اذان دیتے تھے۔ ہمارے علما نے فرمایا ہے کہ: نبی کی سنت ہی اتباع کے زیادہ لائق ہے۔ تو ظاہر ہو گیا کہ خطیب کے سامنے مسجد کے اندر اذان دینا بدعت ہے اور جماعت کے ساتھ اذان دینا دوسری بدعت ہے۔ بعض لوگ ان دونوں بدعتوں پر عمل کرنے لگے حالانکہ یہ دونوں بدعتیں ہشام بن عبدالملک نے ایجاد کی ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ پھر اسی پر ایک زمانہ گذرا تو ایسا ہو گیا جیسے یہی معمول بہا سنت ہو۔

(۳) حضرت علامہ شیخ یوسف بن سعید بن اسماعیل نے حاشیہ سفطی ص ۱۵۳ میں فرمایا ہے:

الاذان الثانی ای الذی یفعل عند جلوس الخطیب علی المنبر وسماہ ثانیا باعتبار الفعل وان کان اولا فی المشروعیۃ والحاصل ان البیع حرام عند الاذان الثانی

سواء کان الاذان علی المنارۃ کما کان فی الزمن القدیم وعلیہ اھل المغرب الی الآن اوکان بین یدی الامام کما ھوفی بلاد ناالآن الاان فعلہ بین یدی الامام مکروہ کمانص علیہ برزلی وقدنھی عنہ مالک وامافعلہ علی المنارۃ والامام جالس فھو المشروع۔ انتھی سکندری۔ ترجمہ: مشروعیت کے لحاظ جواذان اول ہے اور فعل کے اعتبار سے ثانی کہلاتی ہے یعنی خطیب کے منبر پر بیٹھتے وقت دی جاتی ہے، اسی کے وقت سے خرید وفروخت حرام ہے، چاہے منارہ پر ہو جیسا کہ زمانۂ قدیم میں معمول تھا اور اہل مغرب اب بھی اسی پر عمل پیرا ہیں۔ یا۔ امام کے سامنے ہو جیسا کہ اب ہمارے شہروں میں ہونے لگی ہے۔ جبکہ امام کے سامنے دینا مکروہ ہے جیسا کہ علامہ برزلی نے اس پر تنصیص کی ہے۔ اور امام مالک نے منع فرمایا ہے۔ الغرض امام منبر پر بیٹھا ہو تو منارہ پر اذان دینا ہی شریعت کے موافق ہے۔

(۴) ابو الولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (ت ۵۲۰ھ) نے ''البیان والتحصیل'' ج ۱ ص ۲۴۳ میں لکھا ہے:

مسئلۃ: وسئل ---۔ أیوذن قدامہ؟ قال: لا، -------فانمایوذن فوق المنارۃ۔ قال محمد بن رشد-------والاذان بین یدی الامام مکروہ لانہ محدث، ولذالک نھی عنہ مالک،۔ واول من احدثہ ھشام بن عبدالملک --------۔ فنقل الاذان الذی کان بالزوراء الی المدینۃ، ونقل الاذان الذی فی المدینۃ بین یدیہ، وامرھم ان یؤذنوا معا، وتلاہ علی ذالک من بعد من الخلفاء الی زماننا وھو بدعۃ والذی کان یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم والخلفاء الراشدون بعده وهو السنة، ترجمہ: مسئلہ: سوال ہوا کہ کیا امام کے سامنے اذان دی جائے؟ فرمایا: نہیں،۔۔۔۔۔۔اذان منارہ پر دی جائے۔۔۔۔محمد بن رشد نے فرمایا ہے۔۔۔۔۔۔: امام کے سامنے اذان مکروہ ہے کیوں کہ بدعت ہے۔اسی وجہ سے امام مالک نے اسے منع فرمایا ہے۔۔۔۔۔۔یہ بدعت سب سے پہلے ہشام بن عبد الملک نے ایجاد کی۔۔۔۔۔۔۔۔وہ حضرت عثمان کی اضافہ کردہ زوراوالی اذان کو وہاں سے منتقل کر کے مدینہ میں لے آیا اور جو اذان مدینہ میں (امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد) ہوتی تھی، امام کے سامنے کر دیا۔اور حکم دیا کہ کئی موذن ایک ساتھ اذان کہیں۔اس کے بعد ہمارے زمانہ تک جتنے خلفا بنے یہی کرتے آئے، حالانکہ یہ بدعت ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین جو کرتے رہے وہی سنت ہے۔

(۵) ابراهیم بن موسی بن محمد الشاطبی المالکی کی (ت ۷۹۰) کتاب "الاعتصام، ج۲ ص ۳۰۲، الباب الخامس فی احکام البدع الحقیقیة والاضافیة والفرق بینهما میں ہے:

[نقل الاذان من المنار یوم الجمعة وجعله امام الامام مکروه] ونقل الاذان یوم الجمعة من المنار وجعله قدام الامام۔ ففی "سماع ابن القاسم"۔۔۔۔۔۔واحتج علی ذالک بفعل اهل المدینة۔ قال ابن رشد: الاذان بین یدی الامام فی الجمعة مکروه لانه محدث، قال: واول من احدثه هشام ابن عبدالملک،۔۔۔۔۔۔۔۔فنقل الاذان الذی کان بالزوراء الی المشرفة، ونقل الاذان الذی کان بالمشرفة بین یدیه

،وامرهم ان يؤذنوا معا، وتلاه على ذالك من بعده من الخلفاء الى زماننا هذا، قال ابن رشد: وهو بدعة۔ قال: والذى فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء الراشدون بعده هو السنة۔ ترجمہ: جمعہ کے دن منارے سے اذان کو منتقل کر کے امام کے سامنے کر دینا مکروہ۔ ''سماع ابن القاسم'' میں ہے :

۔۔۔۔۔۔اوراس پر اہل مدینہ کے فعل سے استدلال فرمایا ہے۔ ابن رشد نے کہا ہے کہ: جمعہ کے دن امام کے سامنے اذان دینا مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ بدعت ہے۔ فرمایا: سب سے پہلے اس کی ایجاد ہشام بن عبدالملک نے کی۔ وہ حضرت عثمان کی اضافہ کردہ زوراوالی اذان کو وہاں سے منتقل کر کے مدینہ میں لے آیا اور جو اذان مدینہ میں (امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد) ہوتی تھی، امام کے سامنے کر دیا۔ اور حکم دیا کہ کئی موذن ایک ساتھ اذان کہیں۔ اس کے بعد ہمارے زمانہ تک جتنے خلفا بنے یہی کرتے آئے، حالانکہ یہ بدعت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین جو کرتے رہے وہی سنت ہے۔

(۶) اسی میں ہے:

وذكر ابن حبيب: ما كان من فعله عليه السلام وفعل الخلفاء بعده كما ذكره ابن رشد، وكانه نقله من كتابه ،وذكر قصة هشام، ثم قال: والذى كان من فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم هو السنة ،وقد حدثنى اسد بن موسى عن يحى بن سليم عن جعفر بن محمد يحدث عن ابيه عن جابر بن عبدالله: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فى خطبته: افضل الهدى هدى محمد، وشر الامور محدثاتها

وکل بدعة ضلالة۔ اور ابن حبیب نے بیان کیا کہ: ابن رشد نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین جو کرتے رہے وہی (یعنی مسجد سے باہر اذان) سنت ہے۔ مجھ سے اسد بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے یحییٰ بن سلیم سے روایت کی، انہوں نے جعفر بن محمد سے روایت کی، انہوں نے اپنے والد (محمد) سے روایت کی، انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا: عمدہ ترین طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ ہے۔ سب سے برا کام دین میں سنت کو بدل دینا ہے اور ہر بدعت (سنت کو بدل دینا) گمراہی ہے۔

(۷) پھر اسی میں ہے:

وماقاله ابن حبيب من ان الاذان عند صعود الامام على المنبر كان باقيا الى زمان عثمان رضى الله عنه موافق لمانقله ارباب النقل الصحيح، وان عثمان لم يزد على ماكان قبله الا الاذان على الزوراء، فصار اذن نقل هشام الاذان المشروع فى المنار الى مابين يديه بدعة فى ذالك المشروع

۔ ابن حبیب نے جو یہ کہا ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھتے وقت اذان عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک باقی رہی، یہ ارباب نقل صحیح کی نقل کے موافق ہے۔ حضرت عثمان نے زوراپر ایک اذان کے اضافے کے علاوہ کچھ نہیں کیا تھا۔ لہٰذا اذان جو منارے پر ہی مشروع ہے، ہشام کا اسے منتقل کر کے امام کے سامنے کر دینا اس مشروعیت میں تبدیلی کر دینا ہوا۔

(۸) امام ابن الحاج مکی کی المدخل ج ۲ ص ۲۰۷ میں ہے:

ان السنة فی اذان الجمعة اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذالک کان علی عهد النبی صلی الله علیه و سلم وابی بکر و عمر، و صدرا من خلافة عثمان رضی الله عنهم، ۔۔۔ ثم زاد عثمان بن عفان رضی الله عنه اذانا آخر بالزوراء، ۔۔۔ لما ان کثر الناس، وابقی الاذان الذی کان علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المنار، والخطیب علی المنبر اذ ذاک ۔۔ ثم انه لما ان تولی هشام بن عبد الملک اخذ الاذان الذی فعله عثمان بن عفان رضی الله عنه بالزوراء، وجعله علی المنار، وکان المؤذن واحدا یؤذن عند الزوال، ثم نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر و عمر و صدرا من خلافة عثمان رضی الله عنهم بین یدیه، ۔۔۔۔۔۔ قال علماؤنا رحمة الله علیهم: وسنة النبی صلی الله علیه و سلم اولی ان تتبع، فقد بان ان فعل ذالک فی المسجد بین یدی الخطیب بدعة، ۔۔۔۔۔ ثم تطاول الامر علی ذالک حتی صار بین الناس کانه سنة معمول بها ۔۔۔ هٰذا ماهو من طریق النقل واما ماهو من طریق المعنی؛ فلان الاذان انما هو نداء الی الصلاة ومن هو فی المسجد لا معنی لندائه اذ هو حاضر ومن هو خارج المسجد لا یسمع النداء اذا کان النداء فی المسجد، هذا وجه ۔۔ ترجمہ: امام جب منبر پر چڑھے تو اذان جمعہ میں سنت یہ ہے کہ موذن ((مسجد سے باہر) منارے پر ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر اور حضرت

عثمان کے ابتدائی دور خلافت میں یہی ہوتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر جب لوگ بڑھ گئے تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے زوراء میں دوسری اذان کا اضافہ کیا۔۔۔۔۔۔ اور خطیب کے ممبر پر بیٹھتے وقت کی اذان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں (مسجد سے باہر) منارے پر ہوتی تھی، حسب سابق وہیں رہنے دیا۔ پھر جب ہشام بن عبدالملک والی ہوا تو حضرت عثمان بن عفان کی زوراء میں اضافہ کردہ اذان کو منارے پر کردیا۔۔ اس زمانے میں موذن ایک ہی تھا جو سورج ڈھلنے پر اذان دیتا۔ پھر ہشام نے وہ اذان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنھم کے زمانوں میں امام کے ممبر پر بیٹھتے وقت منارے پر ہوتی تھی، امام کے سامنے کردیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہمارے (مالکی) علمانے فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی زیادہ قابل اتباع ہے۔ تو بے شک واضح ہوگیا کہ خطیب کے سامنے مسجد کے اندر اذان دینا بدعت ہے۔۔ پھر یہی طریقہ اس طرح مروج ہوگیا جیسے یہ بدعت ہی سنت متوارثہ ہو۔۔۔۔۔۔ یہ دلیل نقلی ہوئی۔ دلیل عقلی یہ ہے کہ اذان نماز کے لیے بلانے کا نام ہے اور جو مسجد ہی میں ہو اسے بلانے کے کوئی معنی نہیں کیوں کہ وہ تو حاضر ہی ہے۔ البتہ جو مسجد سے خارج ہے، مسجد کے اندر اذان ہو تو نہیں بھی سن سکتا ہے۔ اور یہ معقول وجہ ہے۔

شافعی فقہا کے ارشادات:

(۱) حضرت زین الدین احمد شافعی (ت ۹۸۷ھ) کی فتح المعین بشرح قرۃ العین بمھمات الدین ص ۱۵۳ میں ہے:

(وسن فیھما) ای فی الاذان والاقامۃ قیام وان یؤذن

علی (موضع عال) ولو لم یکن للمسجد منارة سن بسطحه ثم ببابه۔ ترجمہ: کھڑے ہوکر اذان واقامت کہنا سنت ہے۔ اوراذان میں یہ بھی سنت ہے کہ اونچی جگہ سے دی جائے۔ اگر مسجد کے پاس منارہ نہ ہوتو سطح سے۔ یا۔ دروازہ سے دینا سنت ہے۔

(۲) ابوالعباس نجم الدین احمد بن محمد ابن الرافع (ت ۷۱۰) کی ''کفایة النبیه فی شرح التنبیه'' ج ۲ ص ۴۲۲ میں ہے:

قال: وان یوذن علی موضع عال، لما روی (ابن الزبیر) عن امرأة من بنی نجار ـــــــــ ولان المقصود منه الابلاغ، وهو اذا فعل علی مو ضع عال ابلغ۔ ترجمہ: فرمایا: اونچی جگہ سے اذان دی جائے؛ کیوں کہ ''ابن زبیر'' نے بنی نجار کی ایک عورت سے روایت کی ہے ـــــــــ اوراس لیے بھی کہ اذان سے مقصود ابلاغ ہے جو اونچی جگہ سے دینے میں بدرجہ اتم ہوگا۔

(۳) حضرت امام ابومحمد حسین بن مسعود بغوی (ت ۵۱۶) نے ''التهذیب'' ج ۲ ص ۳۹ میں فرمایا ہے:

ویستحب ان یؤذن علی مکان مرتفع، لیکون صوته ابلغ الی الاسماع؛ کان بلال یوذن علی ظهر بیت امرأة من بنی النجار بیتها اطول بیت حول المسجد۔ ترجمہ: مستحب ہے کہ اونچی جگہ سے اذان دی جائے تاکہ آواز اچھی طرح سنی جائے۔

حنبلی فقہا کے ارشادات:

(۱) علامہ محمد بن مفلح بن محمد بن مفرج (ت ۷۶۳) ''الفروع'' ج ۲ ص ۱۳ پر فرماتے ہیں:

و فی النصیحة: السنة ان یوذن بالمنارة ویقیم اسفل ،وروی ابو حفص عن عبد الله بن شقیق قال: من السنة ذالک۔ ترجمہ: ''النصیحۃ'' میں ہے کہ: سنت یہ ہے کہ اذان منارے پر دی جائے اور اقامت نیچے۔ ابوحفص نے عبداللہ بن شقیق سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ سنت ہے۔

(۲) موسیٰ بن احمد بن موسیٰ بن سالم بن عیسیٰ بن سالم حجاوی (ت ۹۶۸ھ) الاقناع فی فقه الامام احمد ج ۱ ص ۷۸ میں فرماتے ہیں:

ویسن علی موضع عال مستقبل القبلة۔ ترجمہ: قبلہ رو بلند جگہ پر اذان کہنا سنت ہے۔

(۳) امام موفق بن قدامہ نے ''المقنع'' میں فرمایا ہے:

ویوذن قائما متطهرا، علی موضع عال۔ ترجمہ: باوضو اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر اذان کہے۔

(۴) ابراہیم بن مفلح (ت ۸۸۴ھ) نے اس کی شرح ''المبدع'' ج ۲ ص ۲۸۱ میں فرمایا ہے:

لانه اعلام الغائبین ترجمہ:: کیوں کہ اذان غیر موجود لوگوں کو اطلاع دینے کے لیے ہے۔

(۵) پھر اسی میں ہے:

(علی موضع عال) ای مرتفع کالمنارة ونحوها الحدیث رواه ابو داؤد، ولانه ابلغ فی الاعلام فلو خالف صح وکره کالخطبة (مستقبل القلة) لماروی ابو داؤد مرسلا ان الذی رآه عبد الله بن زید استقبل، واذن، وحکی ابن المنذر الاجماع علی انه من السنة، ولانها اشرف الجهات

فلو خالف فکالذی قبلہ۔ ترجمہ: اونچی جگہ جیسے منارہ وغیرہ سے اذان دی جائے جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اس سے اطلاع اچھی طرح ہوگی۔ اس کے خلاف ہو تو اذان اگرچہ ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی۔ جیسے خطبہ اونچی جگہ سے نہ ہو تو مکروہ ہے۔ قبلہ رو ہو کر اذان دی جائے؛ اس لیے کہ ابوداؤد نے مرسلاً روایت کی ہے کہ عبداللہ بن زید نے (خواب میں جس فرشتہ) کو اذان دیتے دیکھا تھا، وہ قبلہ رو تھا۔ ابن منذر نے اس کے سنت ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ قبلہ کی جہت اشرف الجہات ہے۔ اس کے برخلاف ہونا اسی طرح (مکروہ) ہے جس طرح اونچی جگہ سے نہ ہونا۔

خلاصہ یہ کہ حنفی، شافعی، مالکی حنبلی چاروں مذہبوں میں مسجد سے باہر اذان دینا سنت اور اندر اذان دینا بدعت ومکروہ ہے۔ اسی وجہ سے علامہ عبدالرحمٰن بن محمد عوض الجزیری نے اپنی کتاب "الفقه علی المذاهب الاربعة" ج ۱ ص ۲۸۶ میں لکھا ہے:

مندوبات الاذان و سنته: ویندب فی الاذان امور منها ان یکون الموذن متطهرا من الحدثین وان یکون حسن الصوت مرتفعة وان یوذن بمکان عال کالمنارة وسقف المسجد۔ ترجمہ: اذان کے مستحبات اور سنتیں: اذان کے لیے کئی چیزیں مستحب ہیں: موذن کا باوضو ہونا، بلند اور اچھی آواز والا ہونا، بلند مکان جیسے منارہ اور مسجد کی چھت پر ہونا۔

مولانا انور شاہ کشمیری کا فیصلہ کن اعتراف:

علمائے دیوبند اس اذان کو داخل مسجد دینے اور دلانے کے سلسلہ میں بہت متشدد ہیں مگر علامہ انور شاہ کشمیری "فیض الباری علی صحیح البخاری" ج ۲

ص ۳۴۲ میں حدیث ۹۱۰ کے تحت یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ:

كان الاذان فى عهد النبى صلى الله عليه وسلم وصاحبيه واحد، ولعله كان خارج المسجد كما عند ابى داؤد فاذا اكثر الناس زاد اذانا آخر على الزوراء خارج المسجد ليمتنع الناس عن البيع والشراء۔ ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر کے زمانوں میں ایک ہی اذان تھی اور اندازہ ہے کہ وہ خارج مسجد ہوتی تھی جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے۔ جب لوگوں کی کثرت ہوگئی تو مسجد سے باہر زورا پر ایک اذان کا اضافہ ہوا تا کہ لوگ خرید وفروخت چھوڑ دیں۔

اس کے بعد کہا:

ثم اذا تسلط بنو امية نقلوا الثالث على المنارة والذى كان عهد النبى صلى الله عليه وسلم جعلوه فى المسجد امام الامام ولم اجد على كون هذا الاذان داخل المسجد دليلا عند المذاهب الاربعة الا ما قال صاحب الهداية انه جرى به التوارث ثم نقله الآخرون ايضا ففهمت منه انهم ليس عندهم دليل غير ما قاله صاحب الهداية ولذا يلجئون الى التوارث۔ ترجمہ: پھر جب حکومت پر بنو امیہ کا تسلط ہوگیا تو انہوں نے زورا میں حضرت عثمان کی اضافہ کردہ اذان کو منارہ پر منتقل کر دیا اور جو اذان عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوتی تھی اسے امام کے سامنے مسجد میں کر دیا۔ مجھے تو اس اذان کے داخل مسجد ہونے پر چاروں اماموں میں سے کسی امام کے ہاں کوئی دلیل نہیں ملی۔ سوائے اس کے کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے ''اس پر توارث جاری ہوگیا''۔ پھر ہدایہ ہی

سے دوسروں نے بھی اسے نقل کیا۔ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اذان اندرون مسجد ہونی چاہیے ان کے پاس صاحب ہدایہ کے "اسی پر توارث ہو گیا" کہنے کے سوائے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ توارث کا سہارا لینے پر مجبور ہوئے ہیں۔

جب کہ علمائے دیو بند کو صاحب "ہدایہ" کی عبارت سے اذان کو اندرون مسجد سمجھنے میں خطا ہوئی ہے۔ "هدايه" کے متن میں ہے:

واذا صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذنون بين يدى المنبر ترجمہ: امام جب منبر پر آئے تو بیٹھ جائے اور موذن حضرات منبر کے سامنے اذان دیں۔

اس پر صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے: بذالك جرى التوارث ۔ترجمہ: اسی پر "توارث" ہو گیا ہے۔ جو دراصل ابوداؤد شریف کی مندرج حدیث:

فلما كان خلافة عثمان، وكثر الناس امر عثمان يوم الجمعة بالاذان الثالث، فاذن به على الزورا، فثبت الامر على ذالك ۔ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگ بڑھ گئے تو آپ نے زورا پر ایک اذان کا اضافہ کردیا۔ پس اسی پر عمل قائم ہو گیا۔

کی ترجمانی ہے۔

شرح وقایہ کے محشی مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی "عمدة الرعاية" میں لکھا ہے:

قوله (بين يديه) اى مستقبل الامام، فى المسجد كان او خارجه، والمسنون هو الثانى، ففى سنن ابى داؤد بسنده عن السائب بن يزيد: ان الاذان كان اوله حين يجلس الامام على المنبر يوم الجمعة فى عهد النبى وابى بكر وعمر فلما كان

خلافة عثمان وكثر الناس امر بالاذان الثالث واذن به على الزوراء فثبت الامر على ذالك۔ [ج ۱ ص ۲۴۷، مجلس برکات، مبارک پور] ترجمہ: "بین یدیہ" کے معنی ہیں امام کے سامنے، چاہے مسجد میں ہو۔ یا۔ مسجد سے باہر، مگر سنت باہر ہی ہے۔ سنن ابی داؤد میں سائب بن یزید سے مروی ہے کہ: عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میں جمعہ کے دن اس وقت اذان ہوتی جب امام منبر پر بیٹھ جاتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب لوگوں کی کثرت ہوگئی تو آپ نے مقام زورا میں ایک اور اذان دلوائی۔ اس کے بعد اسی پر عمل قائم رہا۔

اسی لیے ہدایہ کے شارح علامہ بدر الدین عینی نے (ت ۸۵۵) اپنی شرح البنایہ میں فرمایا ہے:

(بين يدى المنبر) هذا هو الاذان الاصلي الذى كان فى زمان النبى صلى الله عليه وسلم وابى بكر وعمر رضى الله عنهما من بعده، ثم حدث الاذان الآخر وهو الاذان الاول فى عهد عثمان كما ذكرنا (بذالك) اى الاذان بين يدى المنبر بعد الاذان الاول على المنارة (جرى التوارث) من زمن عثمان بن عفان الى يومنا هذا۔ ترجمہ: (ممبر کے سامنے) یہی اصلی اذان ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں تھی۔ اس کے بعد دوسری اذان جو آج پہلی کہی جاتی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حادث ہوئی جیسا کہ ہم بیان کر آئے (اسی پر) یعنی منارہ پر پہلی اذان ہونے کے بعد منبر کے سامنے اذان ہونے پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے

ہمارے زمانہ تک (توارث جاری ہوگیا) [البنایۃ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، مطبوعہ، بیروت ج ۳ ص ۹۰]

یعنی بذالک (اسی سے) سے مراد ہے ''منبر کے سامنے والی اذان سے پہلے ایک اور اذان کا دیا جانا'' ـــــ تو صاحب ''ہدایہ'' **بذالک جری التوارث** کہہ کر یہ فرمارہے ہیں کہ 'منبر کے سامنے والی اذان سے پہلے ایک اور اذان دیئے جانے' پر توارث ہوگیا ہے۔

پھر اگر اصرار ہو کہ صاحب ہدایہ کی مراد لفظ ''**بذالک**'' سے ''**بین یدیه**'' یعنی ''امام کے سامنے'' ہی ہے۔

تو عرض ہے کہ ''**بین یدیه**'' یعنی ''امام کے سامنے'' ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ 'اندر' ہی ہو۔ ابھی ابھی گذشتہ پیرا میں **عمدة الرعایه** کی یہ عبارت گذر چکی کہ: 'اندر' ہو تو بھی ''سامنے'' ہوگا اور 'باہر' ہو تو بھی ''سامنے'' ہی ہوگا۔

صحابیٔ رسول حضرت سائب بن یزید جن کی مادری زبان عربی ہی تھی، ان سے زیادہ عربی زبان کا جانکار کون ہوگا؟ خود وہ حدیث میں فرماتے ہیں کہ یہ اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے سامنے مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی۔

پھر اگر کہیئے کہ ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے سامنے تو مسجد کے دروازہ پر ہی ہوتی تھی۔ مگر جب سے ہشام بن عبدالملک نے اسے مسجد کے اندر کردیا، اس وقت سے توارث ہوگیا کہ یہ اذان مسجد کے اندر ہی ہو۔ اور توارث مکروہ نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

لان المتوارث لایکون مکروها وکذالک نقول فی الاذان بین یدی الخطیب فیکون بدعة حسنة اذمارأه المؤمنون حسنافهو حسن۔ ترجمہ: توارث مکروہ نہیں ہوتا جیسے اذان خطبہ مسجد کے اندر خطیب کے سامنے دینا بدعت حسنہ ہے کیوں کہ جسے مؤمنین اچھا جانئیں وہ اچھا ہے۔

تو عرض ہے کہ توارث کی دو قسمیں ہیں:

(۱) توارث قدیم: یعنی معلوم ہے کہ اس کی ابتدا عہد رسالت سے ہے۔ یا۔ معلوم تو نہیں، مگر ہمیشہ سے عامۃ المسلمین میں عام طور پر معمول بہ ہے۔ فتح القدیر ج ۱ ص ۳۳۳ کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، فصل فی القرأۃ، میں فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت جہری اور آخری رکعتوں میں سری کے تعلق سے فرماتے ہیں:

قوله: (هذا هو المتوارث) يعني انا اخذنا عمن يلينا الصلاة هكذا فعلاً، وهم عمن يليهم كذالك، وهكذا الى الصحابة رضى الله تعالى عنهم، وهم بالضرورة اخذوه عن صاحب الوحى صلى الله عليه وسلم، فلا يحتاج الى ان ينقل فيه نص معين ۔ ترجمہ: یعنی ہم نے اسے اپنے سے پہلے کے بزرگوں سے لیا۔ اسی طرح انہوں نے اپنے بزرگوں سے لیا۔ ایسے ہی سلسلہ بسلسلہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک۔ اور انہوں نے اس کو صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا۔ تو اس کے لیے کسی معین نص کی ضرورت نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی ہی رد المحتار ج ۳ ص ۴۴۳ مطبوعہ، اشرفیہ، دیوبند میں فرماتے ہیں:

لان التعارف انما يصلح دليلا على الحل اذا كان عاما من عهد الصحابة والمجتهدون كما صرحوا به ۔ ترجمہ: وہی تعارف عام جائز ہونے کی دلیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جو صحابہ و مجتہدین کے زمانہ سے ہو جیسا کہ فقہا نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

(۲) توارث حادث: یعنی جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کی ابتدا دور صحابہ و مجتہدین کے بعد ہوا۔

توارث قدیم حدیث و سنت کا معارض ہو ہی نہیں سکتا۔ اور معارض ہو تو مانا جائے

گا کہ حدیث کا وہ حکم منسوخ ہے۔ ہاں! توارث حادث، حدیث وسنت کا معارض ہوسکتا ہے ـــــ پس توارث حادث اگر:

(الف) بالاتفاق حدیث وسنت کا معارض ہوتو اس کے مطابق عمل کرنا بالاتفاق مکروہ سے لے کر حرام تک ہوگا۔ جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اجتناب پر توارث ہے۔ علامہ شامی نے ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت میں نقل فرمایا ہے:

قدتعطل ذلک منذ ازمنۃ۔ ترجمہ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر زمانوں سے معطل ہے۔

فتاوی غیاثیہ، کتاب الاجارات، ص ۱۶۰ میں ہے:

لو تعاملوا علی بیع الخمر او علی الربا لا یفتی بالحل۔ ترجمہ: شراب بیچنے۔ یا۔ سود لینے پر لوگوں کا تعامل ہوجائے، تو حلال ہونے کا فتوی نہیں دیا جائے گا۔

(ب) اور توارث حادث کے حدیث وسنت کا معارض ہونے میں اختلاف ہو، تو جس کے نزدیک اس کا حدیث وسنت کے معارض ہونا ثابت ہو، ان کے لیے اس کے مطابق عمل کرنا مکروہ ہوگا۔

علامہ ابن عابدین شامی ہی ردالمحتار ج ۳ ص ۴۴۳ مطبوعہ، اشرفیہ، دیوبند میں فرماتے ہیں:

ولا عبرۃ بالعرف الحادث اذا خالف النص۔ عرف حادث نص کا معارض ہوتو اس کا اعتبار نہیں۔

ہدایہ ج ۱ ص ۴۷ کتاب الصلاۃ باب الاذان میں ہے:

(لا یوذن لصلاۃ قبل دخول وقتها، ویعاد فی الوقت) لان الاذان للاعلام وقبل الوقت تجهیل (وقال ابو یوسف) وهو قول الشافعی رحمه الله (یجوز للفجر فی النصف الاخیر من

اللیل)لتوارث اھل الحرمین-والحجة علی الکل قوله علیه الصلوٰة والسلام لبلال رضی اللہ عنه: لاتوذن حتی یستبین لک الفجر۔ ترجمہ: (امام اعظم کے نزدیک) نماز کے لیے وقت سے پہلے اذان نہیں دی جائے گی۔ اگر کسی نے دے دی، تو اعادہ کیا جائے گا؛ کیوں کہ اذان تو نماز کی اطلاع دینے کے لیے ہے اور وقت سے پہلے دینے میں تجہیل ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی نے آدھی رات کے بعد فجر کی اذان دینا جائز قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ اس پر حرمین طیبین کا توارث ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بلال سے فرمانا کہ: ''جب تک صبح صادق نہ ہو جائے، اذان مت دو'' سب کے خلاف حجت ہے۔

شارح ہدایہ علامہ اکمل الدین بابرتی نے عنایہ ج۱ ص ۲۵۳ میں فرمایا ہے:

قوله (والحجة علی الکل) ای علی ابی یوسف والشافعی واھل الحرمین: یعنی ان الحدیث حجة علی الآخذ والماخوذ منه۔ ترجمہ: امام ابو یوسف، امام شافعی اور اہل حرمین سب کے خلاف حجت ہے۔ یعنی جنہوں نے اس توارث کی ایجاد کی اور جو اس پر عمل پیرا ہیں، حدیث سب کے خلاف حجت ہے۔

(ج) اور جن کے نزدیک اس کا حدیث وسنت کے معارض ہونا ثابت نہ ہو، وہ اس کے مطابق عمل کریں تو معذور ہیں اور بسا اوقات ماجور بھی۔ جیسے امام ابو یوسف اور امام شافعی نے فجر کی نماز کے لیے اہل حرمین کے توارث پر عمل کرتے ہوئے وقت سے پہلے اذان دینے کو جائز قرار دیا ہے۔

وقال ابو یوسف وھو قول الشافعی رحمه اللہ: یجوز للفجر فی النصف الآخر من اللیل؛ لتوارث اھل

الحرمین۔ ترجمہ: امام ابو یوسف اور امام شافعی نے آدھی رات کے بعد فجر کی اذان دینا جائز قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ اس پر حرمین طیبین کا توارث ہے۔

(د) اور اگر بالاتفاق معارض نہ ہو، تو اس کے مطابق عمل کرنا بالاتفاق مباح سے لے کر واجب تک ہوگا۔ جیسے میلاد شریف کے انعقاد پر صدیوں سے توارث ہے جو حدیث وسنت کے معارض نہیں، تو میلاد شریف کا انعقاد مستحسن ہے۔

سیرت حلبیہ ج ا ص ۱۲۲ میں ہے:

لازال اھل الاسلام فی سائر الاقطار والمدن العظام یحتفلون فی شھر مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم ----- ----- ومن تعظیم مشائخھم وعلمائھم ھذا المولد المعظم والمجلس المکرم انہ لایأبہ احد فی حضورہ ورجاء ادراک نورہ وسرورہ۔ ترجمہ: تمام اطراف اور بڑے بڑے شہروں میں اہل اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے مہینہ میں مجلس منعقد کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور ان اطراف وامصار کے علما ومشائخ اس مولد ومجلس کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ اس کے نور وسرور کے حصول کی امید پر کوئی بھی حاضر ہونے سے انکار نہیں رکھتا ہے۔

اذان ثانی کا اندرون مسجد ہونا اگر عہد ہشام سے حادث ہوکر متوارث ہونا ثابت ہو،(۱) تو چوں کہ یہ حدیثِ حسن وصحیح سے ثابت شدہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت خلفائے راشدین رضی اللہ عنھم کے خلاف ہے، اس لیے اس پر عمل کرنا درست نہ ہوگا۔ علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں مذکورہ عبارت:

---

(۱) صحیح یہ ہے کہ ہشام سے مسجد کے اندر اذان دلوانا ثابت نہیں۔ ہاں! بعض حضرات نے یہ ضرور لکھا ہے کہ وہ پہلی اذان کو منتقل کر کے مسجد کی طرف لے آیا، کما سبق۔ منہ غفرلہ

لان المتوارث لا یکون مکروھا وکذالک نقول فی الاذان بین یدی الخطیب فیکون بدعة حسنة اذمار اٰہ المؤمنون حسنا فھو حسن۔

میں اذان ثانی کا امام کے سامنے ہونے کو بدعت حسنہ اور متوارث نہیں بتایا ہے۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ خطیب کے سامنے والی اذان جسے اذان ثانی کہتے ہیں، اس میں اذان جوق یعنی ایک ساتھ کئی مؤذنوں کا اذان دینا، بدعت حسنہ اور متوارث ہے، اس لیے مکروہ نہیں۔

جس کا پس منظر یہ ہے کہ اموی دور سے پہلے خطبہ کے وقت ایک ہی مؤذن امام کے سامنے اذان کہتا تھا۔ اموی دور میں مسجد کے مختلف زاویے میں مختلف مؤذنوں سے اذان دلانا شروع کیا گیا۔ اور اسی پر توارث ہو گیا جسے اذان جوق کہنے لگے۔ اسی کے تعلق سے علامہ ابن عابدین شامی نے ردالمحتار ج ۲ ص ۵۲، ۵۳ میں: ''مطلب فی اذان الجوق '' کے عنوان سے لکھا ہے:

ذکر السیوطی: ان اول من احدث اذانَ اِثنین معا بنوامیة اھ قال الرملی فی حاشیة البحر: ولم أر نصاصریحافی جماعة الاذان المسمی فی دیارنا باذان الجوق ھل ھو بدعة حسنة او سیئة؟ وذکرہ الشافعیة بین یدی الخطیب۔ واختلفوافی استحبابه وکراھته ۔واما الاذان الاول فقد صرح فی ''النھایة'' بانه المتوارث حیث قال فی شرح قوله: واذااذن المؤذنون الاذان الاول ترک الناس البیع، ذکر الموذنین بلفظ الجمع اخراجاللکلام مخرج العادة، فان المتوارث فیه اجتماعھم لتبلغ اصواتھم الی اطراف المصر الجامع اھ۔ ففیه دلیل علی انه غیر مکروہ لان المتوارث لا یکون مکروھا، وکذالک نقول فی الاذان بین

یدی الخطیب فیکون بدعۃ حسنۃ اذ ما رآہ المؤمنون حسنا فھو حسن۔

ترجمہ: علامہ سیوطی نے بیان کیا ہے: سب سے پہلے بنو امیہ نے ایک ساتھ دو اذانیں دلوانی شروع کی، انتہی۔ علامہ رملی نے بحر کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے: میں نے جماعت کی اذان جسے ہمارے دیار میں جوق کہتے ہیں، اس کے تعلق سے کہیں صراحت نہیں دیکھی کہ وہ بدعت حسنہ ہے۔یا۔ بدعت سیئہ؟ اسے شافعی حضرات نے امام کے سامنے والی اذان (یعنی اذان خطبہ) کے تعلق سے بیان کیا ہے اور اس کے مستحب۔یا۔ مکروہ ہونے کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ رہی پہلی اذان! تو ''نہایہ'' کے اندر اس میں اس کے متوارث ہونے کی صراحت کی ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ کے ارشاد: ''جب موذن حضرات پہلی اذان دیں تو لوگ خرید وفروخت چھوڑ دیں'' کی شرح کرتے ہوئے کہا ہے: صاحب ہدایہ نے صیغۂ جمع سے ''موذن حضرات'' عادت کے موافق فرمایا ہے؛ کیوں کہ پہلی اذان میں توارث یہ ہے کہ کئی موذن اذان کہتے تھے؛ تاکہ ان کی آوازیں بڑے شہر میں ہر طرف پہنچیں، اھ۔ تو اس میں دلیل ہے کہ کئی موذنوں کا اذان کہنا مکروہ نہیں ہے؛ کیوں کہ جو چیز متوارث ہو، وہ مکروہ نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح امام کے سامنے والی اذان (یعنی اذان خطبہ) کے بارے میں ہم کہیں گے کہ اس میں ایک ساتھ کئی موذنوں کا اذان دینا بدعت حسنہ ہے؛ اس لیے کہ جس بات کو عام مسلمان اچھا سمجھیں، وہ اچھا ہی ہوتا ہے۔ (ج ۲ ص ۵۲، ۵۳)

تو ثابت ہوا کہ علامہ ابن عابدین شامی کی مذکورہ بالا عبارت میں جس توارث کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ وہ مکروہ نہیں، بدعت حسنہ ہے، وہ، امام کے سامنے والی: یعنی خطبہ

کی اذان میں ایک ساتھ دو موذنوں کا اذان کہنا ہے۔ یہ نہیں کہ خطبہ کی اذان امام کے سامنے بدعت حسنہ ہے۔ بھلا کوئی حنفی بقید ہوش وحواس ایسا کیسے کہہ سکتا ہے؟ جب کہ احناف کے ہاں متفقہ طور پر ابوداؤد کی حدیث کے مطابق یہ سنت رسول بھی ہے اور سنت خلفاے راشدین بھی۔ حتیٰ کہ خود علامہ شامی نے اسی رد المحتار ج ۳ ص ۳۶ میں فرمایا ہے:

قوله: (ويوذن ثانيا بين يديه) اى على سبيل السنية۔

ترجمہ: دوسری اذان امام کے سامنے دے یعنی بطور سنت۔

مگر واضح ہو کہ یہ اختلاف صرف **بين يديه**: یعنی امام کے سامنے اذان دیے جانے پر ہے، مسجد کے اندر دیے جانے پر نہیں؛ کیوں کہ مسجد کے اندر اذان دینے پر امام مالک اور ان کے مقلدین کے نزدیک بھی توارث حادث ہے، جو حدیث وسنت کا معارض ہے۔ جیسا کہ مالکی فقہا کے حوالوں سے ہم لکھ آئے۔ **هكذا ينبغى التحقيق والله ولى التوفيق۔**

اگر کہا جائے کہ جس طرح علت یا مقاصد شرع کے پیش نظر صحابہ کرام نے مؤلفۃ القلوب کو مستحقین زکوٰۃ کی فہرست سے خارج کر دیا۔ یا جیسے عہد رسالت اور خلیفہ اول کے زمانے میں عورتوں کو مساجد میں آنے اور جماعت میں شریک ہونے کی اجازت تھی، لیکن سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فساد زمانہ کی بنیاد پر ان کو مسجد میں آنے سے روک دیا ___ یا امام کی اقتدا میں تراویح کی نماز جو بدعت تھی، اسے سنت تسلیم کیا گیا ___ یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ میں ایک اذان کا اضافہ کر دیا ___ اسی طرح یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اذان جو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور دور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں مسجد کے باہر ہوتی تھی، مسجد کے اندر کر دی جائے؟

تو عرض ہے کہ:

(۱) پہلے اعزاز اسلام کی خاطر مستحقین زکوٰۃ میں مؤلفۃ القلوب کا حصہ رکھنے کی ضرورت تھی، تو ان کا حصہ رکھا گیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اب

اس کی ضرورت نہیں رہی تو قرآنی ارشاد:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (کہف ۲۹) ترجمہ: "اور فرمادو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے"

اور ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

ان اللہ افترض علیھم صدقۃ تؤخذ من اغنیائھم فترد فی فقرائھم۔ ترجمہ: "اللہ نے مسلمانوں پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر انہی کے محتاجوں کو دی جائے گی" (مسلم ج ۱ ص ۳۶)

کے پیش نظر قول اصح کے مطابق صحابہ کرام نے مولفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہونے پر اجماع کرلیا۔ دوسرے لفظوں میں علت کے انتفاء سے حکم منتفی ہوگیا۔ یا۔ خود قرآن وحدیث نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ جیسا کہ فقہائے کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اذان، جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تاعمر پاک مسجد سے باہر دلوایا۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین زندگی بھر مسجد سے باہر دلواتے رہے۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ سے اموی حکومت کا دور شروع ہو کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے عہد تک فتوحات در فتوحات کے نتیجے میں اسلامی سلطنت کا دائرہ وسعت پذیر ہوتا گیا اور سیکڑوں مسجدیں بنیں۔ لیکن کبھی کسی کو خیال نہیں گزرا کہ اب مسجد سے باہر کی بجائے مسجد کے اندر اذان دلوائی جائے۔ قائل کے بقول پہلی بار اس جابر وظالم بادشاہ ہشام بن عبدالملک کی سمجھ میں آیا کہ اس سنت مستمرہ کا حکم منسوخ ہوگیا ہے۔ یا۔ اس کے باہر ہونے کی علت منتفی ہوگئی ہے۔ اس لیے اب مسجد سے باہر ہونے کی بجائے اسے مسجد کے اندر ہونی چاہئے۔

میں اسے قائل کے بقول اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مسجد کے اندر اذان دلوانا ہشام سے

بھی ثابت نہیں۔ہاں! بعض حضرات نے یہ ضرور لکھا ہے کہ وہ پہلی اذان کو منتقل کر کے مسجد کی طرف لے آیا۔جس کے یہ معنی متعین نہیں کہ مسجد کے اندر دلوائی۔ہوسکتا ہے کہ امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ تو اپنی اضافہ کردہ اذان کو بازار میں دلواتے تھے،اس نے منارہ پر دلوائی ہو۔خطبہ کے وقت کی اذان جو امام کے سامنے ہوتی تھی اس کے تعلق سے ہے کہ وہ جس طرح زمانۂ رسالت اور دور خلافت میں ہوتی تھی ہشام نے اسی طرح باقی رہنے دیا،کوئی تبدیلی نہیں کی۔

علامہ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ،بیروت،ج ۱۰ ص ۴۹۰ میں فرماتے ہیں:

(لماكان عثمان) خليفة (وكثروا) الناس الذين يحضرون الجمعة بالمدينة (امر بالاذان قبله) اى قبل الاذان الذى بين يدى الخطيب (على الزورا، ثم نقله هشام) بن عبد الملك وكان بعد عثمان بثمانين سنة (الى المسجد) اى: امر بفعله فيه (۱) (وجعل الا خر) الذى يفعل بعد جلوس الخطيب على المنبر (بين يديه) مرة واحدة بمعنى انه ابقاه بالمكان الذى يفعل فيه فلم يغيره بخلاف ماكان بالزوراء، فحوله الى المسجد على المنار، (انتهى) كلام ابن احاجب (ونحوه قال: عبد الحق فى) كتاب (تهذيب

(۲) یہاں لفظ فیہ سے دھوکا نہ ہو کیوں کہ چند سطر بعد خود علامہ زرقانی ہی نے اس کی مراد یہ کہہ کر بیان فرمادی ہے کہ: مطلب یہ کہ جہاں ہوتی تھی اسی جگہ باقی رکھا اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی“۔منہ غفرلہ

الطالب) ترجمہ: جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے اور مدینہ میں جمعہ پڑھنے والے بڑھ گئے تو آپ نے خطیب کے سامنے والی اذان سے پہلے زوراء پر ایک اذان دلوائی۔ پھر حضرت عثمان کی شہادت کے اَسّی سال بعد ہشام بن عبدالملک حکمراں ہوا تو وہ حضرت عثمان کی اضافہ کردہ اذان کو منتقل کر کے مسجد کی طرف لایا یعنی اس میں دینے کا حکم دیا۔ اور خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد جو دوسری اذان ہوتی تھی اسے سامنے ہی کر دیا۔ مطلب یہ کہ جہاں ہوتی تھی اسی جگہ باقی رکھا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اس کے برخلاف زوراوالی اذان کو مسجد کی طرف منارے پر منتقل کر دیا۔ ابن حاجب کا کلام پورا ہو گیا۔ ابن حاجب ہی کی طرح عبدالحق نے بھی ''تہذیب الطالب'' نامی کتاب میں یہی لکھا ہے۔

(۲) حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق کے زمانے میں اگرچہ عورتوں کو زیب وزینت سے عاری، خوشبو لگائے بغیر، سادہ انداز میں مسجد میں آکر جماعت میں شریک ہونے کی اجازت تھی مگر ضروری نہیں تھا۔ ان کے لیے بہتر یہی تھا کہ وہ گھر ہی میں نماز پڑھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

صلاۃ المرأۃ فی بیتہا افضل من صلاتہا فی حجرتہا وصلاتہا فی مخدعہا افضل من صلاتہا فی بیتہا

ترجمہ: ''عورت کا دالان میں نماز پڑھنا، صحن میں پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھری میں دالان سے بھی بہتر ہے''۔ (مختصر سنن ابی داؤد للمنذری ج۱ ص۱۷۵ حدیث ۵۶۹)

مگر حضرت عمر کے زمانہ میں عورتوں میں وہ سادگی رہی، نہ عام لوگوں کے اندر وہ پاک بازی، جو زمانۂ رسالت اور عہد ابوبکر میں تھی۔ جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو گیا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

لو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی ما احدث النساء لمنعھن المسجد۔ ترجمہ: "اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی یہ حالت دیکھ لیتے تو آپ ان کو مسجد میں آنے سے ضرور روک دیتے۔" (مسلم ج ۱ ص ۱۸۳ باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ)
تو حضرت عمر نے عورتوں کے مسجد میں آنے پر پابندی لگادی۔

کیا اذان ثانی بھی اندر ہونا ہی بہتر تھی، باہر دلانا صرف جائز تھا۔ اور ہشام کے زمانہ سے باہر دلانے میں کسی فتنہ کا اندیشہ ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے اندر دلانا ضروری ہوا؟

(۳) اور جماعت کے ساتھ تراویح کا معاملہ تو یہ ہے کہ خود نبیؐ رؤف ورحیم نے کئی راتیں امامت فرمائی پھر آپ کو اندیشہ ہوا کہ میرے اس طرح پڑھنے سے کہیں میری امت پر فرض نہ ہو جائے، تو آپ نے پڑھانا چھوڑ دیا، اور لوگ حضرت عمر کے ابتدائی دور خلافت تک ایسے ہی پڑھتے رہے۔

حضرت عمر اپنے دور خلافت میں ایک رات مسجد گئے تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروپ میں بٹے ہوئے ہیں۔ کوئی تنہا ہی تراویح پڑھ رہا ہے۔ چند لوگ ایک شخص کی اقتدا میں پڑھ رہے ہیں۔ تو آپ نے سب کو جمع کر کے حضرت ابی بن کعب کو ان کا امام بنا دیا۔ دوسری رات سب کو ایک ہی امام کی اقتدا میں تراویح پڑھتے دیکھ کر فرمایا: یہ نیا کام (۳) کتنا اچھا ہے کہ سب لوگ ایک ہی امام کی اقتدا میں پڑھ رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر صحابہ سے فرمایا تھا: تم لوگ میرے بعد بہت سے نئے کام کرو گے۔ ان سب میں مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ تم لوگ عمر کا کیا ہوا نیا کام لازمی طور پر کرو۔ (۴)

---

(۳) یعنی کچھ حضرات جو تنہا تنہا چند یا مختصر مختصر جماعت کر رہے تھے، اس کے اعتبار سے نیا کام۔ ورنہ گذر چکا ہے کہ خود سرور کائنات صلی اللہ نے کئی راتیں جماعت فرمائی۔ منہ غفرلہ

(۴) طحطاوی علی المراقی ص ۲۱۴ میں ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ستحدث بعدی اشیاء فاحبھا الی ان تلزموا ما احدث عمر۔ منہ غفرلہ

اور ابوداؤد کی روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی سامعہ نواز تھا "تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اس پر مضبوطی سے گامزن رہنا" تو حضرت عمر کے دور خلافت میں مواظبت ہوگئی اور عام صحابہ نے اس سے اتفاق کرلیا، اور اس وقت سے آج تک مسلمان کسی نکیر کے بغیر برابر ایسا ہی کرتے آرہے ہیں۔

بحر الرائق ج ۲ ص ۱۱۷ میں ہے:

وقد سنها رسول الله صلى الله عليه وسلم وندبنا اليها واقامها في بعض الليالي ثم تركها خشية ان تكتب على امته كما ثبت ذالك في الصحيحين وغيرهما۔ ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی ابتدا کی اور ہمیں اس کے لیے آمادہ فرمایا۔ چند راتیں پڑھائیں اور اس اندیشہ سے پڑھانا چھوڑ دیا کہ کہیں میری امت پر فرض نہ کردی جائے جیسا کہ بخاری، مسلم وغیرہ میں ہے۔

بدائع الصنائع ج ۱ ص ۶۴۵ میں ہے:

ان النبي صلى الله عليه وسلم۔۔۔۔ صلى بجماعة في المسجد۔ ترجمہ: نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔۔۔۔۔۔ تراویح کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھی۔

طحطاوی علی المراقی مکتبہ اشرفیہ ص ۴۱۱، اور غنیۃ المستملی ص ۴۰۱ میں ہے:

في الصحيحين عن عائشة رضى الله عنها: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى ذات ليلة في المسجد فصلى بصلاته ناس، ثم صلى من القابلة فكثر الناس، ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة، والرابعة فلم يخرج اليهم رسول الله صلى الله

علیہ وسلم، فلما اصبح قال: قد رأیت الذی صنعتم، فلم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان تفرض علیکم۔ ترجمہ: بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لے گئے اور کچھ لوگوں کو تراویح کی نماز پڑھائی۔ پھر اگلی رات بھی پڑھائی تو لوگ بہت زیادہ ہو گئے۔ پھر تیسری چوتھی رات سارے لوگ جمع ہو گئے مگر سرکار تشریف نہیں لے گئے۔ جب صبح ہوئی تو ارشاد فرمایا: تم لوگوں نے جو کیا میں نے دیکھا۔ مگر میں اس اندیشہ سے نہیں آیا کہ کہیں یہ تم پر فرض نہ کر دی جائے۔

غنیۃ شرح منیہ ص ۴۰۰ و ۴۰۱ میں ہے:

روی عن عبد الرحمٰن بن عبد القادر قال: خرجت مع عمر بن الخطاب لیلۃ فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسہ ویصلی الرجل فیصلی بصلاتہ الرھط، فقال عمر انی اریٰ لو جمعت ھٰؤلاء علی قارئٍ واحد لکان امثل ثم عزم فجمعھم علی ابی بن کعب، ثم خرجت معہ لیلۃ اخری والناس یصلون بصلاۃ قارئیھم فقال عمر نعمت البدعۃ ھٰذہ۔ ترجمہ: عبد الرحمٰن بن عبد القادر نے کہا کہ: میں رمضان میں ایک رات حضرت عمر بن الخطاب کے ساتھ مسجد گیا تو دیکھا کہ لوگ الگ الگ جماعتوں میں ہیں کوئی اپنی نماز آپ پڑھ رہا ہے۔ کوئی کسی مختصر سی جماعت کو پڑھا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ ان سب کو ایک امام کے ساتھ کر دیا جائے تو بہتر ہوگا۔ پھر سب کو ایک جماعت کر کے ابی بن کعب کو ان کا امام

مقرر فرما دیا۔ پھر میں دوسری رات آپ کے ساتھ مسجد گیا تو دیکھا کہ سب لوگ ابی بن کعب کی اقتدا میں تراویح پڑھ رہے ہیں۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا: یہ نیا کام کتنا اچھا ہوا۔

بحر الرائق ج ۲ ص ۱۱۷ میں ہے:

ثم وقعت المواظبة عليها في اثناء خلافة عمر رضي الله عنه ووافقه على ذالك عامة الصحابة رضي الله عنهم كما ورد ذالك في السنن، ثم مازال الناس من ذالك الصدر الى يومنا هٰذا على اقامتها من غير نكير۔ وكيف لا وقد ثبت عنه صلى الله عليه وسلم: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ كما رواه ابوداؤد۔ ترجمہ: پھر حضرت عمر کی خلافت کے دوران اس پر مواظبت ہوگئی اور عام صحابہ نے اتفاق کرلیا جیسا کہ اس تعلق سے سنن میں حدیثیں موجود ہیں پھر اس وقت سے آج تک مسلمان کسی نکیر کے بغیر برابر ایسا ہی کرتے آرہے ہیں۔ بھلا ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اس پر مضبوطی سے گامزن رہنا" جیسا کہ ابوداؤد نے روایت کی ہے۔

اس موقع پر ارشادِ فاروقی: **نعمت البدعة هٰذه** کے لفظ "بدعت" کے اردو ترجمہ میں "بدعت" ہی رکھ دینے پر بھی ایہام ہوگا کہ حضرت فاروق اعظم نے باجماعت تراویح، جس کے "بدعت" ہونے کا اعتراف خود اپنی زبان سے کیا، اسی کو رواج دیا اور مسلمان آج اسی کو سنت موکدہ سمجھ رہے ہیں۔

آج کے غیر مسلم اور کچھ ماڈرن قسم کے مسلمان، قرآن وحدیث کے ایسے ہی ترجموں

اور تشریحوں کو بنیاد بنا کر اسلام اور شریعت پر اعتراضات کرنے لگے ہیں۔
الغرض زکوٰۃ سے مؤلفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہونے۔ عورتوں کے سادگی کو چھوڑ دینے اور عام لوگوں میں وہ پاکیزگی، جو عہد رسالت اور دور صدیقی میں تھی، باقی نہ رہنے کی وجہ سے فساد کا اندیشہ ہو جانے پر ان کو مردوں کے ساتھ مسجد میں آ کر نماز پڑھنے سے روک دینے۔ اور تراویح کی نماز جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جماعت سے پڑھا کر اس کے مسنون ہونے کو ثابت فرمایا اور صرف فرض ہو جانے کے اندیشہ سے ترک کیا، اسے امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دوبارہ جاری فرمایا کہ اب فرض ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا، جس پر صحابہ نے اتفاق کیا اور امت مسلمہ کا توارث ہو گیا۔
تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اذان جو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہشام بن عبد الملک سے پہلے تک خارج مسجد سنت سمجھ کر خارج مسجد ہی دی جاتی رہی، ہشام بن عبد الملک کے خلافِ سنت مسجد کے اندر دلا دینے اور اس پر توارث حادث ہو جانے سے مسجد کے اندر دینا سنت ہو جائے۔
کسی حکم کے منسوخ ہو جانے۔ یا۔ حکم کی علت کے ارتفاع سے حکم کے مرتفع ہو جانے کو حکم میں تبدیلی سے تعبیر کرنا قائل کی خاص اپنی اصطلاح ہو، تو کوئی بات نہیں کہ:
لا مشاحۃ فی الاصطلاح۔ مگر عام آدمی کو اس سے کنفیوزن ہو جائے گا کہ قرآن وحدیث کا حکم بھی بدلا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ ملازمت سے رٹائرڈ ہونے پر تنخواہ نہ ملنے کو کوئی بھی حکم میں تبدیلی نہیں کہتا ہے۔ فساد کے موقع پر کرفیوں لگنے سے کوئی اسے تبدیلی سے تعبیر نہیں کرتا ہے۔ مہنگائی بڑھنے پر اضافۂ تنخواہ کو کوئی یہ نہیں سمجھتا ہے کہ حکم میں تبدیلی ہو گئی۔

سوالات وجوابات

سوال(۱): کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس برائی کی برائی ہونے پر اجماع ہو صرف وہی برائی منکر ہوتی ہے۔ اس لیے اجماعی مسئلہ ہی کے خلاف پر عمل پیرا لوگوں سے مواخذہ ہوسکتا ہے کیوں کہ: **لا ینکر المختلف فیه وانما ینکر المجمع علیه**۔ متفقہ قاعدہ ہے۔

جواب: مُنکَر، کلی مشکک ہے جس کے مختلف درجات ہیں۔ اس متفقہ قاعدہ میں مختلف فیہ مسئلہ کے جس درجہ کا منکر ہونے کا انکار کیا گیا ہے، وہ منکر کا وہ درجہ ہے جس کے لیے حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده۔ ترجمہ: تم میں سے جو منکر (یعنی بری بات) دیکھے، اسے طاقت سے مٹائے۔

ورنہ کسی مسلمان کو ایک کوئنٹل لوہا۔ یا۔ چونا، دے کر دو کوئنٹل لینے کا سود اور حرام ہونا بھی تو مختلف فیہ ہے، اجماعی نہیں؛ کیوں کہ حنفیوں کے نزدیک تو یہ سود اور حرام ہے مگر شافعی حضرات اسے سود اور حرام نہیں مانتے ہیں:

فتح القدیر ج ۷ ص ۱۰ میں ہے:

الجص والحديد فانه لا يجوز عندنا۔۔۔۔ وعنده يجوز۔ ترجمہ: چونا کو چونے کے عوض اور لوہا کو لوہے کے عوض فروخت کیا جائے تو ہمارے نزدیک کم وبیش ہونا جائز نہیں امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔

اسی طرح ایک کوئنٹل چاول دے کر دو کوئنٹل لینے کا سود اور حرام ہونا بھی مختلف فیہ ہے،

اجماعی نہیں؛ کیوں کہ حنفیوں اور شافعیوں کے نزدیک تو یہ سود اور حرام ہے۔ مگر حضرت قتادہ، طاؤس اور ابن عقیل حنبلی اسے سود اور حرام نہیں مانتے ہیں۔

اسی کے ص ۵ میں ہے:

من نقل عنه قصر حكم الربا على الستة ابن عقيل من الحنابلة، وهو ايضا ماثور عن قتادة وطاوس ۔ ترجمہ: ابن عقیل حنبلی چھ چیزوں میں ہی سود کے قائل ہیں اور یہی حضرت قتادہ اور حضرت طاؤس سے مروی ہے۔

تو کیا کسی حنفی شخص کو ایک کوئنٹل لوہا۔ یا۔ چونا دے کے دو کوئنٹل لیتے دیکھ کر حنفی عالم نکیر نہ کرے اور خاموش رہے کہ اس کی حرمت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، اجماعی نہیں۔ اسی طرح کسی حنفی شخص کو ایک کوئنٹل چاول دے کے دو کوئنٹل لیتے دیکھ کر حنفی وشافعی دونوں ہی عالم نکیر نہ کرے کہ اس کی حرمت کا مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے، اجماعی نہیں۔

عامی مسلمان کو مختلف فیہ مسائل میں مواخذہ سے چھوٹ دے دی جائے تو پھر تقلید کے کیا معنی ہوں گے؟ کہ تقلید تو انہیں مسائل میں ہوتی ہے جو مسائل اجماعی نہیں ہیں۔

سوال (۲): کیا غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ جمعہ کی اذان مسجد کے اندر دیتے تھے جیسا کہ ان کی کتاب ''الغنیة'' سے سمجھ میں آتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

يجتنب البيع والشراء بعد الاذان عند المنبر لقوله تعالىٰ وهٰذا هو الاذان كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو واجب عندنا ولغير هٰذه الصلاة فرض كفاية وروى عنه سنة واما اذان المنارة امر به عثمان بن عفان رضى الله عنه فى زمانه لمصلحة عامة، وهى اعلام الغائبين عن الامصار والقرى فلا يبطل البيع والشراء ۔ ترجمہ: خطیب

کے نزدیک دی جانے والی اذان کے وقت سے خرید وفروخت سے اجتناب کرے؛ کیوں کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کے لیے چل پڑو، خرید وفروخت چھوڑ دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہی اذان تھی۔ ہمارے نزدیک جمعہ کی یہ اذان واجب ہے اور دوسری نمازوں کے لیے فرض کفایہ ہے اور ان ہی سے مروی ہے کہ سنت ہے۔ اور منارہ کی اذان جو حضرت عثمان بن عفان نے منارہ پر اس عام مصلحت سے دلوائی تھی کہ شہر وآبادی سے دور کے لوگوں کو بھی آگاہی ہو جائے، اس وقت سے خرید وفروخت باطل نہیں ہوگی۔

جواب: ہرگز نہیں "**الغنیة**" تو کیا حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی کسی کتاب سے یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ آپ مسجد کے اندر اذان دیتے تھے۔ مذکورہ بالا عبارت میں لفظ "**عند**" ہے جو ظرف زمان ومکان اور "**بین یدی**" ہی کی طرح مبہم اور امر اضافی ہے:

شرح قطر الندی میں ہے:

اسم مکان مبهم وهو الجهات الست کالامام والفوق والیمین وعکسهن ونحوهن کعندا لخ۔ ترجمہ: جہات ستہ یعنی امام (سامنے) **فوق** (اوپر) **یمین** (دائیں) اور ان کے برعکس (پیچھے، نیچے، بائیں) اور **عند** اسم مکان مبہم ہے۔

اس لیے **بین یدیه** ہی کی طرح منبر سے ڈھائی ہاتھ کے فاصلہ پر صادق ہے تو دروازہ اور صحن وفنائے مسجد پر بھی صادق ہے۔

شرح جامی میں ہے:

یقال: المال عند زید فیما یحضر عنده وفیما فی خزائنه وان کان غائبا عنه۔ ترجمہ: کہا جاتا ہے: زید کے پاس مال ہے خواہ

اس کے بالکل پاس ہو۔ یا۔ اس سے غائب خزانے میں ہو۔

تو حضور غوث پاک کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ منبر کے سامنے والی اذان۔ یہ نہیں کہ منبر سے ڈھائی ہاتھ کا فاصلہ والی اذان۔

ہدایہ وکنز میں ہے:

و من سرق من المسجد متاعا ور به عنده۔ ترجمہ: جو مسجد سے کسی کا مال چرالے اور مال والا مال کے پاس ہو، (تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا)۔

بحر الرائق مطبوعہ مکتبہ زکریا ج ۵ ص ۹۹ میں ہے:

ارادمن کونه عنده بحیث یراه کمافی المجتبی۔ ترجمہ: مال والے کا مال کے پاس ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ وہاں پر ہو جہاں مال اسے دکھائی دے سکے۔

تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ مال مسجد میں رکھا ہو اور مال والا مسجد سے باہر مال کے سامنے ہی مثلا دروازہ پر ہو، تو چوں کہ مال والا **عند المال** (مال کے پاس) نہیں ہوا، اس لیے چور کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا؟

تو ثابت ہوا کہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اس عبارت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا ہے کہ آپ مسجد کے اندر اذان کے قائل تھے۔

سوال (۳): بعض کتابوں میں اس اذان کو قریب منبر لکھا ہے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر ہونی چاہئے کیوں کہ باہر قریب نہیں بعید ہے۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ یہاں قریبِ منبر کہہ کر قریبِ امام مراد ہے۔ یعنی محل کہہ کر حال مراد لیا گیا ہے۔

بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۴ میں ہے:

والضمیر فی قوله بین یدیه عائد الی الخطیب الجالس

۔وفی القدوری: بین یدی المنبر وھو مجاز اطلاقا لاسم المحل علی الحال کمافی السراج الوھاج، فاطلق اسم المنبر علی الخطیب۔ ترجمہ: ضمیر خطیب جو منبر پر بیٹھا ہے، اس کی طرف لوٹ رہی ہے، تو بطور مجاز محل کہہ کر حال یعنی منبر کہہ کر خطیب مراد لیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قریب و بعید امر اضافی ہے، جس کا تعیّن متعلقات سے ہوتا ہے۔ جو شخص آبادی سے باہر نماز پڑھ رہا ہے، وہ اذان دے کر نماز پڑھے یا اس کے حق میں آبادی کی اذان ہی کافی ہے؟ اس تعلق سے فتاوی عالمگیری ج ا ص ۱۱۱ میں ہے:

وان کان فی کرم او ضیعة، یکتفی باذان القریة او البلدة ان کان قریبا، والا فلا۔ وحد القریب: ان یبلغ الاذان الیه منها، کذافی مختار الفتاویٰ۔ ترجمہ: جو شخص آبادی سے قریب باغ یا کھیت میں ہو اس کے حق میں آبادی کی اذان ہی کافی ہے۔ قریب کی حد یہ ہے کہ وہاں تک آبادی کی اذان پہنچے۔

جو شخص آبادی سے باہر ہو اس کے حق میں جواز تیمم کے واسطے قول مفتی بہ کے مطابق ایک میل سے ذرا کم تک کی مسافت قریب مانی گئی ہے۔

بنایہ ج ا ص ۵۱۶ مطبوعہ بیروت میں ہے:

لیس له ان یتیمم اذا کان الماء قریباً منه۔ ترجمہ: پانی جس کے قریب ہو، اس کے لیے تیمم جائز نہیں۔

فتاوی عالم گیری ج ا ص ۸۰ میں ہے:

یجوز التیمم لمن کان بعیدا من الماء میلا، ھو المختار فی المقدار۔ ترجمہ: پانی جس سے ایک میل دور ہو اس کے لیے تیمم جائز ہے۔ مسافت کے سلسلہ میں یہی قول مختار ہے۔

الغرض قریب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ کوئی چیز ڈھائی ہاتھ کے فاصلہ پر ہو تو قریب

ہے اور اس سے زیادہ فاصلہ پر ہو تو قریب نہیں ہے۔
کسی مسجد میں پانچ صفیں ہوں تو امام کے حق میں پہلی صف، دوسری صف کی بہ نسبت قریب ہے۔ دوسری صف، تیسری صف کی بہ نسبت قریب ہے۔ تیسری صف، چوتھی صف کی بہ نسبت قریب ہے۔ چوتھی صف، پانچویں صف کی بہ نسبت قریب ہے۔ پانچویں صف، دروازہ کی بہ نسبت قریب ہے۔ اور دروازہ، فنائے مسجد کے اس حصہ کی بہ نسبت قریب ہے جس حصہ میں وضوخانے وغیرہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح فنائے مسجد کا وہ حصہ جس میں وضوخانے وغیرہ ہوتے ہیں، محلہ و بازار کی بہ نسبت قریب ہے۔
غرض کہ امام سے ''قریب'' کا لفظ پہلی صف سے لے کر مسجد کا دروازہ اور فنائے مسجد کا آخری حصہ سب پر صادق ہے۔
ہم واضح کر چکے ہیں کہ مسجد کے اندر اذان دینا سنّت مستمرہ کے خلاف، بدعت سیئہ اور مکروہ ہے، اس لیے مسجد کا اندرونی حصہ اذان کا محل ہی نہیں ہے تو جو جگہ اذان کی محل ہے اور امام سے قریب ہے، ''قریب منبر'' سے وہی جگہ مراد ہے۔
سوال (۴): کیا یہ صحیح ہے کہ ہشام بن عبدالملک نے اس اذان کو جب سے اندرون مسجد کیا تب سے پوری امت جن میں تمام ائمہ، فقہا، مشائخ اور علما شامل ہیں، سب کا عمل اسی پر ہوتا رہا؟
جواب: امام اعظم ابوحنیفہ جن کا مذہب ہے کہ: مسجد میں کوئی اذان نہ دی جائے ''جیسا کہ ہم فتاویٰ قاضی خاں بحرالرائق اور فتاوی عالمگیری کے حوالوں سے نقل کر آئے ہیں۔ اور خاص جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں بھی ہے کہ ''مسجد میں دینا مکروہ ہے'' جیسا کہ فتح القدیر اور غایۃ البیان میں ہے۔ اور امام مالک تو اسے امام کے سامنے ہی تسلیم نہیں کرتے اور مکروہ سمجھتے ہیں، جیسا کہ مالکی حضرات کی کتابوں سے ان کی عبارتیں نقل کی جا چکی ہیں۔ اور مغربی ممالک کے مسلمان تو آج تک مسجد کے باہر ہی دے رہے ہیں جیسا کہ حاشیہ سفطی کے حوالے سے مذکور ہو چکا ہے۔ اب اس صورت حال میں یہ

کہنا کہ ’’ہشام بن عبدالملک نے اس اذان کو جب سے اندرون مسجد کیا تب سے پوری امت جن میں تمام ائمہ، فقہا، مشائخ اور علما شامل ہیں، سب کا عمل اسی پر ہوتا رہا‘‘ صریح طور پر خلاف واقعہ ہے۔ یا نہیں؟ کیا یہ تمام حضرات جن کے حوالے ہم نقل کر چکے ہیں، اس قائل کے نزدیک امت سے خارج ہیں؟

سوال (۵): کیا صحیح ہے کہ اذان خطبہ مسجد سے باہر ہونے کے قائلین صرف کچھ علما رہے ہیں۔۔۔۔ جن میں پہلا نام ابن رشد قرطبی مالکی کا ہے۔۔۔۔ دوسرا نام علامہ ابن الحاج مالکی کا ہے۔۔۔۔ تیسرا نام علامہ شاطبی کا ہے۔۔۔۔ چوتھا نام علامہ عبدالحی فرنگی محلی کا ہے۔ جب کہ علامہ فرنگی محلی اذان ثانی کے صرف باہر مسنون ہونے کے قائل ہیں لیکن مسجد کے اندر ہونے کو بلا کراہت جائز سمجھتے ہیں۔ پانچواں نام اعلی حضرت بریلوی کا ہے۔۔۔۔ چھٹا نام معاصر سلفی محقق ناصر الدین البانی کا ہے جو اہل ظواہر، سلفی جماعت کے سرخیل وناشر شمار کئے جاتے ہیں، سلف صالحین، مشائخ صوفیہ اور ائمہ احناف کے مسائل ورسومات کو بدعات قرار دینا اس جماعت کا وتیرہ ہے ان ہی مسائل میں سے اذان ثانی بھی ہے‘‘

جواب: (الف) جی نہیں! حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی چاروں مذہب کی جمہور امت کا اتفاق ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی سمیت ہر نماز کی اذان کا مسجد سے باہر دینا سنت اور مسجد کے اندر دینا بدعت ومکروہ ہے جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں چاروں مذاہب کی کتابوں کے حوالوں سے لکھ آئے۔ جن میں سے صاحب فتح القدیر اور صاحب غایۃ البیان نے تو خاص باب الجمعہ میں لکھا ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے۔ اور مالکی علما نے تو مسجد سے باہر اذان دینا سنت اور مسجد کے اندر دینا بدعت لکھ کر یہ حدیث نقل فرمادی ہے:

افضل الھدی ھدی محمد، و شر الامور محدثاتھا، و کل بدعة ضلالة۔ عمدہ ترین طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ ہے۔ سب سے برا کام دین میں سنت کو بدل دینا ہے اور ہر بدعت (سنت کو بدل دینا) گمراہی ہے۔

(ب) ''کچھ قائلین'' کہہ کر چھ نام شمار کر دینا اگر عوام الناس کو یہ تاثر دینے کے لیے ہے کہ ان چھ حضرات کے علاوہ پوری دنیا کے علما وفقہا اس کے اندرون مسجد ہونے پر متفق ہیں۔ تو ہم عرض کر چکے کہ مالکی، شافعی، حنبلی اور حنفی چاروں مذہب کے فقہا نے اس مسئلہ کو بعد کے کسی فقیہ کی طرف منسوب کئے بغیر تحریر فرمایا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ یہ مسئلہ ان کے امام مذہب یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب کا ہے۔

''غنیہ ذوی الاحکام'' کتاب الطہارۃ، نواقض الوضوج ۱ ص ۱۵ میں ہے:

صرح بہ قاضی خان من غیرا سنادہ لا حد فاقتضی کونہ المذہب۔ قاضی خاں نے اس مسئلہ کی کسی (مثلاً ابو یوسف۔ یا۔ محمد) کی طرف اسناد کئے بغیر صراحت کی ہے جو اس بات کی مقتضی ہے کہ مذہب یہی ہو۔

(ج) پھر البانی اور اس کی جماعت کے تعارف سے اگر یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش ہے کہ اس کے باہر ہونے کو سنت بتانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو مشائخ اور مقلدین بالخصوص احناف سے کد ہے ____ تو سوال ہوگا کہ جن علمائے مذہب اور فقہا نے اس کو مکروہ وبدعت کہا ہے، جیسا کہ ہم ان کے اقوال نقل کر آئے، ان علمائے مذہب کو آخر کن سے کد ہے؟۔ البانی جیسے غیر مقلد کی کوئی بات ہمارے ائمہ اور فقہا کے موافق ہو جائے تو کیا اسی بنیاد پر ہم اس کی مخالفت پر اتر آئیں گے؟ یہی حال رہا تو نہ جانے کتنے فرائض وواجبات تک سے ہمیں ہاتھ اٹھا لینے پڑیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ البانی، جس نے اس مسئلہ میں ہمارے فقہا وعلما کی موافقت کی ہے، اس نے اگر صوفیا کی مخالفت کی ہے، تو اس اذان کے اندر ہونے کا مدار جس ہشام کے نقل پر رکھا گیا ہے، کیا وہ ظالم وجابر نہیں تھا؟ جس نے رسول رحیم وکریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے، شہید گلگوں قبا، امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے، بیمار کربلا امام زین

العابدین کے صاحب زادے، باقر علم ہدی امام باقر کے بھائی، حضرت سید نا زید رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا۔ اس سے بھی اس کا سینہ ٹھنڈا نہیں ہوا، تو ظالم نے لاش کو نکلوا کر سولی پر چڑھایا، اور برسہا برس سولی ہی پر رہنے دیا۔ ان برسوں میں بدن مبارک کے کپڑے گل گئے، قریب تھا کہ بے ستری ہوتی تو غار ثور کی سنت تازہ ہوئی، اور اللہ عزوجل کے حکم سے مکڑی نے جسم مبارک پر ایسا جالا تان دیا کہ تہ بند جیسا ہو گیا ـــــ اس پر بھی اس سفّاک وظالم کی آنکھیں نہیں کھلیں ـــــ پھر اس کے مرنے کے بعد اس کے جانشین: ولید بن یزید نے ستم یہ ڈھایا کہ لاش مبارک کو اتروا کر آگ لگا دی اور جلا کر خاکستر کر دیا (دیکھئے البدایہ والنہایہ، وغیرہ تواریخ وسیر کی کتابیں)

سوال (٦): کیا جمعہ کی اذان ثانی کا مقصود دور تک آواز پہونچانا کبھی نہیں رہا؟

جواب: جمعہ کی اذان ثانی کا مقصود دور تک آواز پہونچانا کبھی نہیں رہا ہوتا، تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے مسجد کے اندر نہیں، مسجد کے دروازہ پر دلوائے ہوتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی مسجد کے اندر نہیں مسجد کے دروازہ ہی پر دلوائے ہوتے؟ حضرت علی کے بعد حضرت امام حسن بھی مسجد کے اندر نہیں مسجد کے باہر ہی دلوائے ہوتے؟، پھر حضرت امیر معاویہ سے لے کر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہم تک بھی سبھی حضرات مسجد کے اندر نہیں، مسجد کے دروازہ پر دلوائے ہوتے؟ جیسا کہ آج جو لوگ مسجد کے اندر دلوانے کی بات کر رہے ہیں، وہ خود کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہشام بن عبد الملک نے اس اذان کو مسجد کے باہر دلوائی۔ اگر ان کی یہ بات سچ مانی جائے تو کیا یہ نہیں تسلیم کرنا ہوگا کہ کم از کم حضور صلی اللہ کے عہد مبارک سے لے کر حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ تک ـــــ جمعہ کی اذان ثانی کا مقصود دور تک آواز پہونچانا رہا۔ یہ تو کھلی تضاد بیانی ہوگی۔ آدمی کو جوش تعصب وعناد میں آ کر اپنا کہا آپ بھلا نہیں دینا چاہیے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانے تک ہی نہیں اس کے بعد بھی اگر جمعہ کی اذان ثانی کا مقصود دور

تک آواز پہونچانا نہیں ہوتا تو فقہائے کرام اپنی کتابوں میں یہ نہیں لکھتے:

لان تکرارہ مشروع کما فی اذان الجمعۃ لانہ لاعلام الغائبین فتکریرہ مفید لاحتمال عدم سماع البعض۔ اذان میں تکرار جائز ہے جیسے جمعہ کی اذان؛ کیوں کہ وہ غیر موجود لوگوں تک آواز پہونچانے کے لیے ہے۔

پس اس کی تکرار میں فائدہ ہے؛ کیوں کہ ہوسکتا ہے کچھ لوگوں نے پہلی اذان نہ سُنی ہو (بحر مطبوعہ زکریا دیوبند ج ا ص ۴۵۸)

نیز

ان الاذان انما ھو نداء الی الصلاۃ و من ھو فی المسجد لامعنی لندائہ اذ ھو حاضر و من ھو خارج المسجد لایسمع النداء اذا کان النداء فی المسجد، ھذا وجہ۔ ترجمہ: اذان نماز کے لیے بلانے کا نام ہے اور جو مسجد ہی میں ہو اسے بلانے کے کوئی معنی نہیں؛ کیوں کہ وہ تو حاضر ہی ہے۔ البتہ جو مسجد سے خارج ہے، مسجد کے اندر اذان ہو تو نہیں بھی سُن سکتا ہے۔ یہ معقول وجہ ہے۔ (مدخل ابن الحاج ج ۲ ص ۲۰۷)

سوال (۷): آپ کی نقل کردہ عبارتوں سے تو بالکل واضح ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی بھی مسجد سے باہر دینا ہی سنت اور اندر دینا خلاف سنت و مکروہ ہے، اور یہی حکم آج بھی ہے۔ مگر علامہ ابن عابدین شامی ''امداد'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اذا کان التفویت لامر عام فالاذان فی المسجد لایکرہ لانتفاء العلۃ۔ ترجمہ: جب کسی امر عام کی وجہ سے لوگوں کی نماز فوت ہوجائے تو مسجد میں اذان دینا مکروہ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہاں مکروہ ہونے کی علت مفقود ہے۔

جس سے بظاہر یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ علامہ شامی شاید یہ بتا رہے ہیں کہ داخل مسجد اذان کے (مکروہ) ہونے کی جو علت تھی وہ صورت مذکورہ میں مفقود ہے۔ داخل مسجد اذان کی کراہیت کی علت یہ تھی کہ اذان داخل مسجد ہوگی تو اس کی آواز دور دور تک نہیں پہنچے گی اور اس طرح جو اس کا مقصود ہے۔ لوگوں کو جماعت کی اطلاع دینا۔ وہ مقصود فوت ہو جائے گا۔ لیکن مذکورہ بالا صورت میں جب کہ کسی امر عام کے سبب، سب کی نماز قضا ہوگئی ہے اور جن کی نماز قضا ہوئی ہے وہ سب مسجد ہی میں موجود ہیں، یہاں کسی کو بلانا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف اذان کی سنت کو ادا کرنا مقصود ہے، تو اگر یہ اذان خارج مسجد دی جائے تو دوسرے لوگ اس سے خلجان اور شک وشبہ میں پڑ جائیں گے، اس لیے اس اذان کو داخل مسجد دینا ہی بہتر ہے۔

جواب: آپ حاشیۂ علامہ ابن عابدین شامی کی عبارت کو سمجھنے میں لغزش کا شکار ہو رہے ہیں۔ حاشیہ ابن عابدین ''درمختار'' کا حاشیہ ہے اور درمختار ''تنویر الابصار'' کی شرح۔ صاحب تنویر الابصار نے فرمایا تھا:

(لا فیما یقضی من الفوایت فی مسجد ویکرہ قضاؤ ھا فیہ) ترجمہ: مسجد میں قضا نماز پڑھی جائے تو اس کے لیے اذان سنت نہیں ہے، بلکہ قضا نماز مسجد میں پڑھنا ہی مکروہ ہے۔

صاحب درمختار نے اپنی شرح میں فرمایا:

لان فیہ تشویشا وتغلیطا۔ ترجمہ: کیوں کہ اس سے لوگوں کو تشویش ومغالطہ ہو جائے گا۔

اور مسجد میں قضا نماز پڑھنے کے مکروہ ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے بزازیہ کے حوالے سے فرمایا:

لان التاخیر معصیۃ فلا یظھرھا۔ "بزازیہ"۔ ترجمہ: کیوں کہ نماز قضا کرنا ہی گناہ ہے، تو اذان دے کر اس کا اعلان کیسے سنت ہوگا؟

اس پر علامہ ابن عابدین شامی نے پہلے ''امداد'' کے حوالے سے یہ نقل کیا:

انہ اذا کان التفویت لامر عام فالاذان فی المسجد لایکرہ لانتفاء العلۃ کفعلہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ التعریس اھ۔ ترجمہ: امر عام کی وجہ سے سب کی نماز قضا ہو گئی ہو تو مسجد میں اذان دے کر جماعت کے ساتھ قضا پڑھنا مکروہ نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں قضا کرنا گناہ نہیں لہٰذا اذان دینے سے گناہ کا اعلان نہیں ہوا جیسے لیلۃ التعریس کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی کئی نمازیں فوت ہو گئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان و جماعت کی ساتھ پڑھی تھی۔

پھر صاحب "امداد" پر استدراک کیا کہ:

لکن لیلۃ التعریس کانت فی الصحراء لافی المسجد۔ ترجمہ: 'لیلۃ التعریس کے موقع کی اذان کے ساتھ قضا' پر 'مسجد میں اذان کے ساتھ قضا' کو قیاس کرنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ لیلۃ التعریس کے موقع پر اذان کے ساتھ قضا "صحرا" میں پڑھی گئی تھی۔

(ج ۲ ص ۵۴)

اس کے بعد فرمایا کہ:

علی انہ اذا کانت تفویت لامر عام لایکرہ ذالک للجماعۃ لان ہٰذا التاخیر غیر معصیۃ۔ ترجمہ: یہ اور بات ہے کہ امر عام کی وجہ سے نماز فوت ہو جائے تو یہ جماعت کے لیے مکروہ نہیں؛ کیوں کہ ایسی صورت میں قضا کرنا، گناہ نہیں ہے۔

غرض کہ یہاں نہ مسجد کے باہر اذان دینے کی بات بتائی گئی ہے نہ مسجد کے اندر اذان دینے کی، یہاں تو یہ بتایا گیا ہے کہ امر عام کی وجہ سے سارے لوگوں کی نماز قضا ہو گئی ہو تو اذان دے کر مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے کیوں کہ

اس صورت میں نماز قضا کرنا گنہ نہیں ہے۔ تو اس کے لیے اذان دینا دوسرے لفظوں میں نماز قضا ہوجانے کا اعلان کرنا بھی گنہ نہیں۔

سوال (۸): فتح الباری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فقہا جنہوں نے اذان کا مقصود دور دراز کے لوگوں تک آواز پہونچانا بتایا ہے، وہ پنج گانہ نماز کی اذانیں ہیں، جمعہ کی اذان نہیں۔ جمعہ کی اذان کا مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو امام کے منبر پر بیٹھنے کا علم ہو، تاکہ وہ خطبہ سننے کے لیے خاموش ہوجائیں۔

جواب: اسی کو کہتے ہیں: **الغریق یتشبث بکل حشیش**۔ یعنی ڈوبنے والا تنکے کا بھی سہارا ڈھونڈتا ہے۔ تمام فقہا جنہوں نے یہ فرمایا ہے کہ یہ اذان بھی باہر والوں کو آگاہی دینے کے لیے تھی تاکہ جو لوگ کسی وجہ سے حضرت عثمان کی اضافہ کردہ اذان کو سنے ہوں، اس اذان کو سن کر حاضر ہوجائیں، جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں ان کی عبارتیں نقل کرچکے ہیں، ان فقہا کے برخلاف ایک متاخر مالکی عالم مہلب کا وہ قول جس کو ان کے ہم عصر ابن بطال نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

> **انما جعل التاذین فی ھٰذا الوقت، واللہ اعلم لیعرف الناس بجلوس الامام فینصتون لہ**۔ ترجمہ: اس وقت (خطبہ سے پہلے) اذان دینا، اس بات کے لیے ہے کہ لوگ امام کے منبر پر بیٹھنے کی خبر ہوجائے تاکہ وہ خاموش ہوجائیں، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۲ ص ۵۰۵)

اور علامہ ابن حجر مکی نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

> **الحکمۃ فی جعل الاذان فی ھٰذا المحل لیعرف الناس بجلوس الامام علی المنبر فینصتون لہ اذا خطب**۔ ترجمہ: مہلب نے کہا: اس جگہ اذان دینے کی حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو امام کے منبر پر جلوہ افروز ہونے کا علم ہوجائے تاکہ وہ خطبہ کی سماعت کے لیے خاموش ہوجائیں۔

اسی قول کی پناہ مانگی جارہی ہے۔

حالاں کہ خود علامہ ابن حجر نے اس کو نقل کر کے حدیث پاک کی روشنی میں رد فرمادیا ہے:

وفیہ نظر، فان فی سیاق بن اسحاق عند الطبرانی وغیرہ عن الزھری فی ھٰذا الحدیث ان بلالا یؤذن علی باب المسجد فالظاھر انہ کان لمطلق الاعلام لالخصوص الانصات۔ ترجمہ: طبرانی وغیرہ نے ابن اسحاق سے، انہوں نے زہری سے اسی حدیث میں روایت کی ہے کہ حضرت بلال مسجد کے دروازے پر اذان دیتے تھے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ اذان مطلق اعلام (یعنی جولوگ ابھی نہیں آسکے ہیں ان کو بلانے، اور جولوگ آگئے ہیں ان کو خاموش ہوجانے) کے لیے تھی۔

علامہ مہلب کی سمجھی ہوئی یہ غیر یقینی حکمت یوں بھی درست نہیں کہ جب یہ اذان صرف لوگوں کو خاموش کرنے کے لیے ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق، عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور عثمان غنی کی خلافت کے ابتدائی ایام میں لوگوں کو بلانے کے لیے سرے سے اذان ہی نہیں ہوئی؛ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک سے خلافت عثمانی کے ابتدائی ایام تک وہی ایک اذان تھی جو امام کے منبر پر بیٹھتے وقت ہوتی تھی۔

اگر کہیے کہ علامہ مہلب کی سمجھی ہوئی حکمت نادرست ہی سہی، مگر علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے جو فرمایا ہے کہ:

نعم، لما زید الاذان الاول کان للاعلام وکان الذی بین یدی الخطیب للانصات۔ ترجمہ: ہاں، جب (حضرت عثمان کے عہد خلافت میں) پہلی اذان کا اضافہ ہوگیا تو لوگوں کو بلانے کے لیے وہی ہوگئی، اور جو خطیب کو سامنے ہوتی تھی، لوگوں کو خاموش کرنے کے لیے ہوگئی۔

وہ تو صحیح ہے؟

تو عرض ہے کہ علامہ ابن حجر نے جو حکمت اپنے طور پر بیان کی، اس کے مطابق تو حضرت عثمان نے ایک اذان زیادہ کر کے اصل سنت کو باقی رکھتے ہوئے اس کی تائید کے لیے اضافہ نہیں کیا، بلکہ اذان جو سنت رسول اور سنت ابوبکر و عمر تھی، اس کے مقصود کو بدل کر اس سنت ہی کا خاتمہ کر دیا (۵)۔ یعنی اس اذان کو صرف خطبہ سننے کے لیے خاموش رہنے کی خاطر کر کے جمعہ کی نماز کے لیے اذان ہی نہیں رہنے دیا۔ جو نہ تو خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کسی طرح متصور ہو سکتا ہے اور نہ ہی صحابہ سے لے کر تابعین و تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین و مجددین اور علما فقہا تک سب اسے برداشت کر سکتے تھے۔

علاوہ ازیں علامہ ابن حجر ایک متاخر شافعی ہیں اور فقہ کا یہ مسئلہ کسی فقہی کتاب میں نہیں، شرح حدیث میں فرماتے ہیں۔ جبکہ اصول افتا کا قاعدہ ہے کہ فقہی کتابوں کے برخلاف کوئی مسئلہ حنفی عالم کی بھی شرح حدیث کی کتاب، بلکہ اصول فقہ کی ہی کتاب، نہیں نہیں بلکہ خود فقہ ہی کی کتاب کے دوسرے ابواب میں ہو تو معتبر وہی ہوتا ہے جو فقہی کتاب کے اسی باب میں موجود ہو، جس باب کا وہ مسئلہ ہے۔

غمز عیون البصائر ج ۲ ص ۱۰۰ میں ہے:

لا عبرة بما فی کتب الاصول اذا خالف ما ذکر فی کتب الفروع کما صرحوا به۔ ترجمہ: فقہی کتابوں کے برخلاف اصول کی کتابوں میں جو مسئلہ ہو، اس کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ فقہا نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

ردالمحتار ج ۶ ص ۳۹ کتاب الحدود میں ہے:

قال: فی الدر المنتقی: واستفید منه: ان الحکم المذکور فی بابه اولی من الحکم المذکور فی غیر

(۵) کیوں کہ فقہا فرماتے ہیں کہ کسی حکم شرعی کا مقصود فوت ہو جانے سے وہ حکم شرعی ہی فوت ہو جاتا ہے۔

بابه۔ترجمہ: در منتقی میں ہے: اس سے مستفاد ہوا کہ اپنے باب میں جو مسئلہ مذکور ہو، وہ غیر باب میں مذکور کی بہ نسبت اولی ہوتا ہے۔

سوال: اذان تو ذکر الٰہی ہے اور قرآن کریم نے مسجد میں ذکر الٰہی سے روکنے والوں کو ظالم قرار دیا ہے۔ پھر اس کا مسجد میں دیا جانا کیسے مکروہ ہو سکتا ہے؟

جواب: مکروہ تو میں نہیں کہہ رہا ہوں، ائمہ وفقہائے متقدمین نے کہا ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ان کی عبارتیں نقل ہو چکی ہیں۔ تو کیا ائمہ وفقہا حضرات کو سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ تو نص قرآنی کے مطابق ظلم وتعدی ہے؟

اچھا! جو حضرات اذان ثانی کو ذکر الٰہی ہونے کی وجہ سے مسجد کے اندر دینے، دلانے کو مکروہ نہیں سمجھتے ہیں، وہ بھی تو پنج وقتہ اذانوں کے اندرون مسجد دینے دلانے کو مکروہ مانتے ہیں۔ تو کیا صرف جمعہ کی اذان ثانی ہی ذکر الٰہی ہے، پنج وقتہ اذانیں ذکر الٰہی نہیں ہیں؟ اس کا جو جواب وہ حضرات پنج وقتہ نمازوں کے ذکر الٰہی ہونے کے باوجود مسجد کے اندر دینے دلانے کے سلسلہ میں عطا فرمائیں، وہی جواب ہماری طرف سے جمعہ کی اذان ثانی کے سلسلہ میں بھی قبول فرمالیں ـــــــ۔ ویسے ہم بتادیں کہ قرآن کریم میں ذکر خالص سے روکنے والے کو ظالم کہا گیا ہے، اور اذان ذکر خالص نہیں ہے۔

چنانچہ ہدایہ ج ا ص ۲۷ میں ہے:

ویحول وجهه للصلاة والفلاح یمنة ویسرة لانه خطاب للقوم فیواجههم۔ترجمہ: مؤذن اذان میں حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح میں اپنا رخ دائیں بائیں موڑ لیں؛ اس لیے کہ ان الفاظ سے قوم کو خطاب ہے تو ان ہی کی طرف توجہ کی جائے۔

اس پر بنایہ ج ۲ ص ۱۱۱ میں ہے:

فان قلت: الاذان ذکر فکیف یقول انه شبه الذکر، وشبه

الشیٔ غیرہ، قلت: ھولیس بذکر خالص علی مالا یخفی ،وانما اطلق اسم الذکر علیہ باعتبار ان اکثر الفاظہ ذکر۔ ترجمہ: اگر یہ کہا جائے کہ اذان تو ''ذکر'' ہے، اس کو ''ذکر کے مشابہ'' کہنا کیسے صحیح ہوگا کیوں کہ مشبہ، مشبہ بہ کا غیر ہوا کرتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اذان ذکر خالص نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ اس کو ذکر اس لیے کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کے بیشتر الفاظ ''ذکر'' ہیں۔

کنز الدقائق میں ہے:

یستقبل بھما القبلۃ۔۔۔۔ ویلتفت یمینا شمالا بالصلاۃ والفلاح۔ ترجمہ: اذان قبلہ رخ ہو کر کہیں اور حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح کے وقت دائیں بائیں مڑیں۔

بحر الرائق ج ۱ ص ۴۴۹ میں ہے:

لانہ فی حالۃ الذکر والثناء علی اللہ تعالی والشھادۃ لہ بالوحدانیۃ، ولنبیہ بالرسالۃ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ،فالاحسن ان یکون مستقبلا، فاما الصلاۃ والفلاح دعاء الی الصلاۃ واحسن احوال الداعی ان یکون مقبلا علی المدعویین۔ ترجمہ: کیوں کہ اذان میں کلمہ شہادتین کہنے کی حالت، حالتِ ذکر ہے کہ اس میں اللہ تعالی کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت ہے۔ تو اس وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا ہی احسن ہے، اور حی علی الصلاۃ وحی علی الفلاح کہنے کی حالت، لوگوں کو نماز کے لیے بلانے کی حالت ہے، تو اس وقت یہی احسن ہے کہ بلانے والا، ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو، جن کو بلا رہا ہے۔

اسی کے ص ۴۵۰ میں ہے:

وفی المحیط: یجب علی السامع للاذان الاجابۃ ویقول مکان "حی علی الصلاۃ" لاحول ولاقوۃ الا باللہ، ومکان "حی علی الفلاح" ماشاءاللہ کان ومالم یشاء لم یکن، لان اعادۃ ذالک یشبہ الاستھزاء لانہ لیس بتسبیح ولاتحلیل۔ ترجمہ: محیط میں ہے کہ اذان سننے والے کے لیے حکم ہے کہ وہ اذان کا جواب دے اور حی علی الصلاۃ کی جگہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہے۔ حی علی الفلاح کی جگہ 'ماشاءاللہ کان ومالم یشاء لم یکن کہے۔ کیوں کہ انہی کلمات کو دہرانے میں استہزا سے مشابہت ہوجائے گی۔ اس لیے کہ وہ کلمات تسبیح وتحلیل نہیں ہیں۔

صلاۃ مسعودی ج ۲ ص ۹۰ میں ہے:

ان فی الاذان مناجاۃ ومناداۃ، المناجاۃ ذکر اللہ تعالیٰ، والمناداۃ نداء الناس، فمادام فی ذکر اللہ یستقبل القبلۃ، واذابلغ المناداۃ یحول وجھہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قال الشیخ ابو القاسم الصفار: الدعاء الی الصلاۃ مناداۃ وباقیۃ ذکر اللہ تعالیٰ، لکن ظاھر الروایۃ ان الاذان کلہ من اولہ الی آخرہ دعاء الی الصلاۃ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ظاھر الروایۃ ان المؤذن اذاقال: "حی علی الصلاۃ" یقول المستمع: "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" فاذاقال: "حی علی الفلاح" یقول المستمع: "ماشاءاللہ کان، ومالم یشاء لم یکن" قال شیخ الاسلام برھان الدین: "ماکان العبد فی ذکر الرحمٰن یفر الشیطان" فاذا جاء نداء الخلق یعود، فاذاقیل: "لاحول

ولا قوۃ الا باللہ ماشاء اللہ کان"یفر۔ مترجماً ترجمہ: بے شک اذان مناجات بھی ہے اور بلاوا بھی۔ مناجات ذکر الٰہی ہے، اور بلاوا لوگوں کو پکارنا ہے۔ موذن جب تک ذکر الٰہی میں ہوتا ہے تو قبلہ کی طرف رخ کئے رہتا ہے، اور جب بلاوا پر پہنچتا ہے، اپنا چہرہ (جن لوگوں کو بلاتا ہے ان کی طرف) پھیر لیتا ہے۔۔۔۔شیخ ابو القاسم صفار نے فرمایا: نماز کے لیے بلانا منادات ہے اور باقی اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ لیکن ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اذان شروع سے آخر تک نماز کے لیے بلاوا ہے۔۔۔۔۔۔ظاہر الروایہ یہ ہے کہ موذن جب '' حی علی الصلاۃ'' کہے تو سُننے والا''**لاحول ولا قوۃ الا باللہ**'' کہے اور جب موذن '' حی علی الفلاح'' کہے تو سُننے والا کہے'' **ماشاء اللہ کان و مالم یشاء لم یکن**'' ۔شیخ الاسلام برہان الدین علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ: بندہ جب ذکر الٰہی میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے پھر جب مخلوق کو پکارتا ہے تو شیطان لوٹ آتا ہے۔ پھر جب'' لا حول ولا قوۃ الا باللہما شاء اللہ کان'' کہا جاتا ہے تو شیطان پھر بھاگ جاتا ہے۔

الغرض اذان جب ذکر خالص ہے ہی نہیں تو آیت کریمہ میں جو حکم بیان ہوا ہے، اس کے دائرے میں بھی نہیں آتا؛ کیوں کہ قرآن کریم میں تو ذکر خالص سے روکنے والے کو ظالم کہا گیا ہے، غیر خالص سے روکنے والے کو نہیں۔

سوال: پھر کیا وجہ ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ سے پہلے ہندوستان میں کسی دوسرے عالم اور بزرگ نے اذان ثانی کو مسجد کے اندر دلانے کی طرف توجہ نہیں فرمائی؟ کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہاں کے سارے علما اور بزرگ اذان کے اس سنت سے چشم پوشی کرتے رہے؟

جواب: پہلی بات تو یہ کہ ہندوستان کی ساری مسجدوں میں یہ اذان کبھی بھی مسجد کے

اندر نہیں ہوئی۔ جیسے دہلی کی جامع مسجد میں آج تک یہ اذان منبر سے کئی گز کے فاصلہ سے مئذنہ پر ہوتی ہے۔ اور مئذنہ مسجد سے خارج ہے، کیوں کہ مسجد بنتے وقت جو جگہ نماز کے علاوہ مسجد کی مصالح کے دوسرے کاموں کے لیے مخصوص کرلی جائے، وہ مسجد بہ معنی ما اعد للصلوۃ سے خارج رہتی ہے جیسے مئذنہ، حوض، اور امام کا حجرہ۔

فتاوی تتارخانیہ، ج ۸ ص ۱۶۲ کتاب الوقف، فصل ۱۹ میں ہے:

وفی الحاوی وفی المنتقی اذا بنی الرجل مسجدا وبنی فوقه غرفة وهو فی یده فله ذالک، وان کان حین بناه خلا بینه وبین الناس ثم جاء بعد ذالک یبنی لا یترک۔ وفی جامع الفتاوی: ولو قال: عنیت ذالک لا یصدق۔ ترجمہ: حاوی اور منتقی میں ہے: کسی آدمی نے مسجد تعمیر کی جس کے اوپر کمرہ بنایا لیکن ابھی اسے مسجد نہیں کیا تو درست ہے۔ اور تعمیر کر کے مسجد کردی پھر کمرہ بنایا تو اسے اجازت نہیں دی جائے گی۔ جامع الفتاوی میں ہے کہ: وہ یہ کہے کہ میری نیت ایسا ہی کرنے کی تھی تو بھی اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

درمختار مع ردالمحتار ج ۶ ص ۴۲۸ میں ہے:

فرع: لو بنی فوقه بیتا للامام لا یضر لانه من المصالح، اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذالک لم یصدق۔ ترجمہ: مسجد بناتے وقت اس کے اوپر امام کے لیے حجرہ بنانا چاہے تو اجازت ہے کہ وہ مصالح مسجد سے ہے، لیکن مسجد ہوجانے کے بعد اجازت نہیں۔ اگر کہے کہ میری نیت پہلے ہی سے تھی کہ اوپر حجرہ بناؤں گا، تو نہیں مانا جائے گا۔

اور بہت سی مسجدوں میں یہ اذان اندرون مسجد ہوئی تو اس کی کئی وجہیں ہوسکتی ہیں:

پہلی وجہ: کچھ مسجدوں میں دروازہ پر مئذنہ دیکھ کے لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ داخل

مسجد ہے، اس طرح انہوں نے داخل داخل یکسان سمجھ کر پہلی صف میں کر لیا۔ جیسے لاؤڈ اسپیکر آ جانے کے بعد کئی جگہوں پہ لوگ پنج وقتہ اذانیں بھی اندرون مسجد ہی سے دے دیتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

دوسری وجہ: بعض حضرات کو بین یدیہ کے لفظ سے دھوکا ہوا اور وہ یہ خیال نہ کر سکے کہ جس حدیث میں بین یدیہ ہے، اسی حدیث میں علی باب المسجد بھی ہے جو باہر ہونے کو بتا رہا ہے۔

تیسری وجہ: کچھ لوگوں کو فقہ کی بعض کتابوں میں اس کی تعبیر لفظ ''عند'' سے کرنے کی بنا پر التباس ہو گیا اور وہ سمجھ گئے کہ اس سے تو ''قرب'' مفہوم ہو رہا ہے، اور یہ خیال نہیں کیا کہ ''قرب'' امر اضافی ہے جو مسجد کے اندر اور باہر دونوں پر صادق ہے۔

چوتھی وجہ: بعض کتابوں مثلاً، قدوری، فتح القدیر، وقایہ، کنز ہدایہ وغیرہ میں:

الاقامة كالاذان، الاقامة مثل الاذان

اور نور الایضاح کے اندر خاص سنن خطبہ کے بیان میں

الجلوس على المنبر قبل الشروع فى الخطبة والاذان بين يديه كالاقامة

کے الفاظ سے اشتباہ ہوا۔ حالاں کہ یہ تشبیہ عددِ کلمات، ترتیب اور سنت ہونے میں ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے:

اى مثل الاذان فى كونه سنة الفرائض فقط و فى عدد كلماته وفى ترتيبها۔

اس طرح رفتہ رفتہ وہ اندر ہوتی گئی اور اسی کا رواج پڑ گیا۔

جن علما نے اسے سنت کے خلاف سمجھا، اور سائل کے لفظوں میں چشم پوشی سے کام لیا، انہوں نے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

اذا رأيتم امرًا لا تستطيعون تغييره فاصبروا حتى يكون

اللہ هو الذی یغیرہ۔ ترجمہ: جب تم کوئی ایسا کام دیکھو جس کے بدلنے کی طاقت نہیں رکھتے ہو تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالی اسے بدل دے۔
(شعب الایمان ج ۷ ص ۱۴۹ احدیث ۹۸۰۲)

اور

ائتمروا بالمعروف وتناهوا عن المنكر حتى اذا رأيت شحا مطاعا وهو متبعا ودنيا مؤثرة واعجاب كل ذى رأى برايه ورأيت امر الا يدان لك به فعليك خويصة نفسك ودع امر العوام۔: ترجمہ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو تا آں کہ بخل کی حکومت دیکھو، خواہشات نفس کی پیروی کی جانے لگے اور لوگ دنیا کو اختیار کر چکے ہوں، ہر رائے والا اپنی رائے پسند کرے۔ ایسے میں کوئی ضروری معاملہ درپیش ہو تو تم اپنے نفس کو لازم پکڑو اور عوام کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الفتن ص ۲۹۹)

کے مطابق رخصت پر عمل کرتے ہوئے کتابوں میں: ''لا یؤذن فی المسجد ترجمہ: مسجد اذان نہ دی جائے'' ۔ اور: ''ای فی حدوده لكراهة الاذان فی المسجد۔ ترجمہ: اذان مسجد کے حدود میں ہو کیوں کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے'' لکھے ہونے پر اکتفا کی۔ جس کی نظیر وقف کی زمین کے اجارہ کا یہ مسئلہ ہے۔

ان مسئلة البناء والغرس على ارض الوقف كثيرة الوقوع فى البلدان خصوصا فى دمشق، فان بساتينها كثيرة واكثرها اوقاف غرسها المستاجرون وجعلوها املاكا، واكثر اجارتها باقل من اجر المثل اما ابتداء، واما بزيادة الرغبات، وكذالك حوانيت البلدان فاذا طلب المتولى او القاضى رفع اجارتها الى اجر المثل

،یتظلم المستاجرون ویزعمون انہ ظلم ،وھم ظالمون، وبعض الصدور والاکابر یعاونونھم و یزعمون ان ھٰذا تحریک فتنۃ علی الناس وان الصواب ابقاء الامور علی ماھی علیہ وان شر الامور محدثاتھا، ولا یعلمون ان الشرفی اغضاء العین عن الشرع وان احیاء السنن عند فساد الامۃ من افضل الجھاد واجزل القرب۔

وقف کی زمین پر مکان بنانے اور درخت لگانے کا معاملہ وقف کے اجیروں میں کثیر الوقوع ہے، خصوصا دمشق میں کیوں کہ وہاں باغ بہت ہیں اور اکثر وقف ہیں۔ اجیروں نے درخت لگا کر ان کو اپنی ملک بنالیا ہے ۔جن میں سے اکثر کا کرایہ اجرت مثل سے کم ہے۔ کچھ تو شروع ہی سے اور کچھ رغبات میں زیادتی کے باعث۔ جب متولی اور قاضی سے ایسے اجاروں کے ختم کرنے کے لیے کہا جاتا ہے اور اجرت مثل پر ان زمینوں کے کرایہ پر اٹھانے کی بات کی جاتی ہے تو ان زمینوں کے پُرانے کرایہ دار فریاد کرتے ہیں اور اس کو ظلم قرار دیتے ہیں حالاں کہ وہ خود ہی ظالم ہیں۔ بعض صدور و اکابر ان کی حمایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا ہے۔ اس لیے جیسا اب تک ہوتا آیا ہے ویسا ہی عمل درآمد ہوتے رہنا چاہئے کہ نئی بات پیدا کرنا سب سے بری بات ہے۔ اور نہیں جانتے کہ برائی کے وقت شریعت سے چشم پوشی ہی بری ہے ،اور امت میں بگاڑ کے وقت سنت کا زندہ کرنا جہاد سے افضل اور بزرگ ترین عبادت ہے۔ (ردالمحتار ج۹ ص ۴۸،۴۷)

اور جن بزرگوں پر یہ منکشف ہوا کہ اس ''بدعت'' کا ازالہ ''فلاں'' کے ہاتھ سے مقدر ہے، انہوں نے دوسری برائیوں کے مٹانے کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی۔ جیسے بعض

بدعتوں کا ازالہ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبد العزیز کے ہاتھوں سے ہونا مقدر تھا، تو حضرات صحابہ وتابعین کے دور میں ان کا قلع قمع نہیں ہوا۔ اور جن بدعتوں کا ازالہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہونا مقدر تھا تو ان سے پہلے کے بزرگوں نے ان کا قلع قمع نہیں فرمادیا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ: ”کم ترک الاولون للآخرین -

ترجمہ: بہت سے کام پہلے والوں نے بعد والوں کے لیے چھوڑ رکھے“

لہٰذا پرانے علما اور مشائخ پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہاں! جو مسئلہ کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی اپنی پرانی روش پر قائم رہے۔ یا۔ قائم رہیں، وہ ضرور تارک سنت ہیں۔

خلاصہ کلام

(۱) اہل سنت کے چاروں مذہبوں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی میں اذان پنج وقتہ ہو یا جمعہ کی، اس سے اصل مقصود غیر موجود لوگوں کو نماز کے لیے بلانا ہے۔

(۲) چاروں مذہبوں میں اونچی جگہ اور بلند آواز سے اذان دینا سنت ہے۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، پھر عثمان غنی، علی مرتضی، امام حسن رضی اللہ عنھم نے خطبہ کی اذان ہمیشہ مسجد سے باہر دلوائی۔

(۴) ان مبارک زمانوں میں اسلامی دنیا کے اندر جتنی مسجدیں بنیں اور وہاں جمعہ ہوا سبھی جگہوں پر اذان مسجد سے باہر ہوئی۔

(۵) اس کے بعد امیر معاویہ کے عہد حکومت سے لے کر پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما کے دور زریں تک جتنے ممالک اسلام کے زیر نگیں آئے اور وہاں جمعہ قائم ہوا، ہر جگہ مسجد سے باہر ہی اذان ہوئی۔

(۶) اہل سنت کے چار مذہبوں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی میں سے کسی مذہب میں مسجد کے اندر اذان دلانے کا کوئی ثبوت نہیں۔

(۷) مسجد کے اندر اذان دینا اور دلانا سنت مستمرہ کے خلاف اور بدعت و مکروہ ہے۔

(۸) حضور غوث پاک، حضرت داتا علی ہجویری، حضرت خواجہ غریب نواز، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت بختیار کاکی، حضرت نظام الدین محبوب الٰہی، حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی، حضرت مخدوم بہار شیخ شرف الدین احمد بن یحیٰ منیری، حضرت مخدوم جہانگیر سمنانی رضی اللہ عنہم سے ہرگز یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے کبھی مسجد کے اندر اذان دی ہو یا دلوائی ہو۔

(۹) اب جو بعض بلاد میں مسجد کے اندر اذان دینے اور دلانے پر تعامل وتوارث ہو گیا ہے تو یہ تعامل وتوارث حادث ہے جو سنت مستمرہ اور نص تقریری کے خلاف ہے، اس لیے نہ تو وہ حجت ہے نہ اس کے مطابق عمل جائز ہے۔ شامی میں ہے: ''**ولا عبرة بالعرف الحادث اذا خالف النص**۔ ترجمہ: عرفِ حادث نص کا معارض ہو تو اس کا اعتبار نہیں''۔

(۱۰) اصرار کے ساتھ مسجد کے اندر اذان دینا اور دلوانا سنّت مستمرّہ کے خلاف، بدعت سیئہ اور مکروہ وگناہ ہے۔

جامعہ نوریہ شام پور

مناظر اعظم ہند، فقیہ النفس حضرت علامہ ومفتی محمد مطیع الرحمن رضوی مدظلہ العالی نے 1995 میں مدرسہ جامعہ نوریہ کی بنیاد رکھی اور آج تقریبا ڈھائی ایکڑ زمین میں ۲۲ کمروں پر مشتمل جامعہ کی پر شکوہ عمارت تشنگان علوم کو دعوت نظارہ دی رہی ہے بفضلہ تعالی حضرت مفتی کی سرپرستی ونگرانی میں جامعہ نوریہ، شام پور، عربک یونیورسیٹی تک بڑی سرعت کے ساتھ عروج کی منزلیں طے کرتا گیا۔ آج مدرسے میں عصر حاضر کے مطابق درس نظامی، حفظ و قرأت کی تعلیم کا نظم اور ۱۵۰ بیرونی طلبہ کی تعلیم وتربیت، خورد نوش اور رہائش کا مکمل انتظام ہے تقریبا ایک درجن ماہر اساتذہ اپنی محنت وجانفشانی سے فرزندان اسلام کو زیور علم سے آراستہ کررہے ہیں۔ جامعہ کی تعلیمی وعملی سرگرمیاں روز افزوں ہے اب تک متعدد جماعتیں عالم ، فاضل، قاری، حافظ ہوکر مختلف مقامات پر دین اسلام کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہیں

یہاں ابتدا سے مفتی تک کی تعلیم دی جاتی ہے، ساتھ ہی بقدر ضرورت ہندی۔ حساب، انگلش، تاریخ، جغرافیہ، فزیکس بھی پڑھایا جاتا ہے ☆ اردو، عربی اور کمپیوٹر ڈپلوما:۔ قومی کونسل آف انڈیا کے تحت اردو اور عربی نیز کمپیوٹر ڈپلوما کورس کرایا جاتا ہے ، ☆ درسگاہیں اور ہوسٹلس:۔ کئی ایکڑ زمین پر لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ درسگاہیں اور ہوسٹلس ہیں ☆ مدرسۃ البنات:۔ اس میں فی الحال یوپی اور بہار و بنگال کی کل ۴ معلمات کے ذریعہ تعلیم دی جارہی ہے ☆ غریب ونادار، طلبہ کو مفت کھانے کی سہولت کے علاوہ عام بیماریوں میں جامعہ کی طرف سے علاج بھی مفت کرایا جاتا ہے۔

برادران اسلام! جامعہ نوریہ پورے بنگال میں اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ ہے۔ ہر موسم خیر میں اس کو خصوصیت کے ساتھ یاد رکھیں اور اس کے مزید تعلیمی وتعمیری منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں ہماری مدد فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں آپ کو اس

کا بہترین صلہ عطافرمائے۔ آمین!

جامعہ نوریہ شام پور کے کچھ منصوبے شعباجات جو عمل میں آچکے ہیں

(۱) دارالافتاء (۲) درس نظامی (۳) قرأت مکمل (۴) حفظ (۵) نشر اشاعت (۶) دعوت تبلیغ (۷) لائبریری (۵) کمپیوٹر (۶) ٹاپنگ سینٹر

مصروف عمل شعبہ جات

(۱) تخصص فی الفقہ (۲) تخصص فی الادب والدعوی (۳) ٹرینگ مناظرہ (۴) ٹرینگ تدریس، تصنیف وتالیف، خطابت، صحافت (۷) سلائی سنٹر (۸) ودیگر ٹیکنیکل چیزیں

مستقبل کے تعمیری منصوبے

(۱) دارلاقامہ (برائے رہائش طلبہ) (۲) دارالمطالعہ (فقیہ النفس لائبریری جو کہ زیر تعمیر ہے) (۴) دارالتدریس (نوری درسگاہ) (۵) ڈائنگ ہال (غریب نواز ہال) (۶) کمپیوٹر ہال (۷) فیملی کواٹرس (جو کہ زیر تعمیر ہے)

امداد کے طریقے

(۱) کوئی کمرہ بنوائیں (۲) ایک طالب علم کی کفالت فرمائیں (۳) ایک مدرس کی تنخواہ کی ذمہ داری لیں (۴) درسی وغیر درسی کتابیں یا کمپیوٹر وقف فرمائیں (۵) زکوۃ فطرہ ودیگر عطیات دیں یا دلوائیں (۶) یا کم ازکم حمایت فرمائیں

یہ ادارہ مغربی بنگال میں اپنی نوعیت کا منفرد اور مرکزی ادارہ ہے لہٰذا اپنی نظر عنایات جامعہ کے تعمیری و تعلیمی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچائیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدارین فقط والسلام

محمد احمر رضوی

ناظم اعلیٰ

جامعہ نوریہ، شام پور، رائے گنج، اتر دیناج پور بنگال

Mob.8942832397

القلم فاؤنڈیشن پٹنہ

کی مطبوعات اک نظر میں

■ منتخب مسائل فتاویٰ رضویہ	قیمت	200
■ کنز الایمان نمبر		200
■ رضویات کا شاریہ نمبر		150
■ حجۃ الاسلام نمبر		200
■ فقیہ ابن فقیہ		100
تنقید برمحل		150
■ امام حرم اور ھم		50
■ منظوم مناظرہ		30
■ فتاویٰ رضویہ اور مچھلی کا مسئلہ		50
■ تجارت کے رہنما اصول		50
■ زندگی گزارنے کے رہنما اصول		50
■ سہ ماہی "رضا بک ریویو	فی شمارہ	25
■ دوماہی الرضا انٹرنیشنل	فی شمارہ	25

اھل ذوق حضرات رابطہ کریں

القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ
Mob: 9835423434
Email:amjadrazaamjad@gmail.com
web: www.alqalam.in

باب الاقامۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اقامت کے وقت کھڑے ہونے سے متعلق مختلف حدیثیں مروی ہیں:

(۱) مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ:

اقیمت الصلاۃ فقمنا فعدلنا الصفوف قبل ان یخرج الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: نماز کی اقامت کہی گئی اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی کھڑے ہو کر صفیں درست کرلیں۔ (ج۱ ص ۲۲۰)

(۲) مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہ ہی سے مروی ہے کہ:

ان الصلاۃ کانت تقام لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیأخذ الناس مصافهم قبل ان یقوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر اقامت کہی جاتی اور لوگ آپ کے مصلی پر کھڑے ہونے سے پہلے صفوں میں اپنی اپنی جگہ لے لیتے۔ (ج۱ ص ۲۲۰)

(۳) صحیحین میں حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا اقیمت الصلاۃ فلا تقوموا حتی ترونی۔

ترجمہ: جب اقامت کہی جائے تو اس وقت تک مت کھڑے ہو جب تک مجھے تشریف لاتے دیکھ نہ لو۔ (بخاری ج ا ص ۸۸ مسلم ج ا ص ۲۲۰)

(۴) مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہ:

کان بلال یؤذن اذا دحضت فلا یقیم حتی یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا خرج اقام الصلاۃ حین یراہ۔

ترجمہ: حضرت بلال سورج ڈھلنے پر اذان کہتے اور اقامت اس وقت تک نہ کہتے جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے نہ دیکھ لیتے۔ جب آپ کو تشریف لاتے دیکھ لیتے تب اقامت کہتے۔ (ج ا ص ۲۲۱)

(۵) ترمذی شریف میں انہی سے مروی ہے کہ:

کان مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمھل فلا یقیم حتی اذا رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد خرج اقام الصلاۃ حین یراہ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکبّر جب تک آپ کو دیکھ نہیں لیتے تکبیر کہنے میں تاخیر کرتے جب آپ کو تشریف لاتے دیکھ لیتے تب تکبیر کہتے۔ (ج ا ص ۲۸)

(۶) مجمع الزوائد میں حضرت عبداللہ بن اوفی سے مروی ہے کہ:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال بلال: قد قامت الصلاۃ نھض۔ ترجمہ: جب حضرت بلال قد قامت

الصلاۃ کہتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے۔(ج ۲ ص ۵)

(۷) حضرت ام حبیبہ کہتی ہیں کہ:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی بیتہا فسمع المؤذن فقال کما یقول فلما قال حی علی الصلاۃ نہض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الصلاۃ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ مکبّر کے تکبیر کہنے کی آواز سُنی تو اسے دہرایا جب مکبّر نے حی علی الصلاۃ کہا تو آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔(مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۴۸۱)

اس لیے شارحین حدیث: امام نووی نے شرح مسلم میں، امام ابن حجر نے فتح الباری میں، امام بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری میں اور امام زرقانی نے شرح موطا میں اس تعارض کو اس طرح دور فرمایا ہے کہ جن حدیثوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی اقامت کہ لینے اور صحابہ کے کھڑے ہو جانے کا تذکرہ ہے، وہ دراصل معمول نہیں تھا، صرف ایک دو بار بیان جواز کے لیے ایسا ہوا تھا۔ اس کے بعد سرکار نے **لاتقوموا حتی ترونی**۔ جب اقامت کہی جائے تو اس وقت تک مت کھڑے ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو' ارشاد فرما کر ممانعت کر دی تھی۔ چنانچہ:

فتح الباری ج ۲ ص ۱۲۰، اور شرح موطا للزرقانی ج ۱ ص ۲۷۹ میں ہے:

ان صنیعہم فی حدیث ابی ہریرۃ کان سبب النہی عن ذالک فی حدیث ابی قتادۃ وانہم کانوا یقومون ساعۃ تقام الصلاۃ ولو لم یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنہاہم عن ذالک۔

ترجمہ: کبھی صحابہ اقامت سے پہلے ہی کھڑے ہو جاتے خواہ

سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری نہ ہوئی ہوتی، اسی وجہ سے آپ نے ان کو منع فرمایا۔

شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۲۲۱، اور عمدۃ القاری ج ۵ ص ۱۵۴ میں ہے:

لعلہ کان مرۃ او مرتین او نحوھما لبیان الجواز اولعذر ولعل قولہ صلی اللہ علیہ وسلم (فلا تقوموا حتی ترونی) کان بعد ذالک۔

ترجمہ: غالباً صحابہ نے یہ بتانے کے لیے کہ پہلے کھڑا ہو جانا بھی ناجائز نہیں ہے، ایک دو مرتبہ ایسا کیا تھا یا کوئی عذر پیش آ گیا تھا جس کی وجہ سے ایسا کیا تھا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ جب تک مجھے دیکھ نہ لو، کھڑے نہ ہوا کرو۔

شیخ محقق نے اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۲۱ میں فرمایا ہے:

و شاید کہ بیرون آمدن آں حضرت دریں وقت می بود۔

ترجمہ: شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکبّر کے حی علی الصلاۃ / حی علی الفلاح کہنے کے وقت ہی تشریف لاتے۔

ترمذی ج ۱ ص ۷۶ کے حاشیہ پر لمعات کے حوالے سے ہے:

یحتمل انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج عند ھٰذا القول۔

ترجمہ: احتمال ہے کہ سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مکبّر کے حی علی الصلاۃ / حی علی الفلاح کہتے وقت تشریف لاتے ہوں۔

آثار صحابہ (رضی اللہ عنہم)

(۱) امام عبد البر کی الاستذکار میں حضرت ابو یعلی کی روایت ہے کہ:

رأیت انس بن مالک اذا قیل قد قامت الصلاۃ قام فوثب۔

ترجمہ: میں نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا کہ جب قد قامت الصلاۃ کہا گیا تو آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ (ج ۱ ص ۳۹۱)

(۲) مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ عبداللہ بن یزید کہتے ہیں:

فلما قال: قد قامت الصلاۃ قام حسین۔

ترجمہ: موذن نے اقامت کہنی شروع کی، جب قد قامت الصلاۃ پر پہنچا تو حضرت حسین کھڑے ہوئے۔ (ج ۱ ص ۵۰۵)

(۳) اسی میں ہے کہ ابو خالد الوالبی کہتے ہیں:

ان علیا خرج علیھم حین اقیمت الصلاۃ وھم قیام فقال مالکم سامدین؟

ترجمہ: اقامت ہوتے وقت حضرت علی تشریف لائے تو لوگوں کو دیکھا کہ کھڑے ہیں۔ اس پر فرمایا: تم لوگ کیوں متحیر کھڑے ہو؟ (ج ۱ ص ۵۰۴)

(۵) مصنف عبدالرزاق ہی میں ہے کہ حضرت عطیہ بیان فرماتے ہیں:

کنا جلوسا عند ابن عمر فلما اخذ الموذن فی الاقامۃ قمنا فقال ابن عمر اجلسوا فاذا قال قد قامت الصلاۃ فقوموا۔

ترجمہ: ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، جب موذن نے اقامت کہنا شروع کیا، ہم لوگ کھڑے ہو گئے تو حضرت عبداللہ ابن عمر نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، جب موذن قد قامت الصلاۃ کہنے لگے تب کھڑے ہونا۔ (ج ۱ ص ۵۰۶)

تابعین عظام کے آرا:

(۱) عمرو بن مہاجر کہتے ہیں کہ:

رأیت عمر بن عبد العزیز و محمد بن کعب القرظی وسالم بن عبد اللہ و اباقلابۃ وعراک بن مالک الغفاری ومحمد بن مسلم الزھری و سلیمان بن حبیب یقومون الی الصلاۃ فی اول بدء الاقامۃ۔

ترجمہ: حضرت عمر بن عبد العزیز، محمد بن کعب القرظی، سالم بن عبد اللہ، ابوقلابہ، عراک بن مالک، محمد بن مسلم اور سلیمان بن حبیب اقامت شروع ہوتے ہی نماز کے لیے کھڑے ہوتے۔ (الاستذکار ج ۱ ص ۳۹۱)

(۲) عن الحسن وابن سیرین انہما کانا یکرھان ان یقوما حتی یقول المؤذن قد قامت الصلاۃ۔

ترجمہ: حضرت حسن بصری اور ابن سیرین قد قامت الصلاۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (الاستذکار ج ۱ ص ۳۹۱)

(۴) مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ حضرت عطا سے پوچھا گیا:

انہ یقال: اذا قال المؤذن قد قامت الصلاۃ فلیقم الناس حینئذ؟ قال نعم۔

ترجمہ: لوگ کہتے ہیں کہ جب موذن قد قامت الصلاۃ کہے تب لوگ کھڑے ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ (ج ۱ ص ۵۰۵)

(۳) معاویہ بن قرۃ فرماتے ہیں:

کانوا یکرھون ان ینھض الرجل الی الصلاۃ حین یأخذ المؤذن فی اقامتہ۔

ترجمہ: لوگ مکروہ سمجھتے تھے کہ آدمی اقامت کے شروع میں نماز کے لیے کھڑا ہو جائے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۴۸۰)

ائمہ مجتہدین کے مذاہب:

(۱) امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ کھڑے ہونے کی کوئی حد تو متعین نہیں ہے؛ کیوں کہ ان تک اس سلسلے میں کوئی حدیث نہیں پہنچی۔ وہ فرماتے ہیں:

اما قیام الناس، حین تقام الصلاۃ فانی لم اسمع فی ذالک بحد یقام له، الا انی أری ذالک علی قدر طاقة الناس، فان منهم الثقیل والخفیف، ولا یستطیعون ان یکونوا کرجل واحد۔

ترجمہ: اقامت کے وقت لوگ کب کھڑے ہوں اس کی کوئی متعین حد کے تعلق سے میں نے کوئی حدیث نہیں سُنی ہے۔ اس لیے میں اسے لوگوں کی طاقت پر چھوڑتا ہوں جو بھاری جسم والا ہوگا اسے کھڑے ہوجانے میں کچھ دیر لگے گی اور جو ہلکے جسم والا ہوگا کچھ پہلے کھڑا ہوجائے گا۔ (مؤطا امام مالک ج ا ص ۰ ۷ دار الاحیا، بیروت)

فتح الباری میں ہے:

وقال مالک فی المؤطا: لم اسمع فی قیام الناس حین تقام الصلاۃ بحد محدود الا انی اری ذالک علی طاقة الناس فان منهم الثقیل والخفیف۔

ترجمہ: امام مالک نے مؤطا میں فرمایا کہ نماز کے لیے کس وقت کھڑے ہوں؟ اس کی متعین حد سے متعلق کوئی حدیث میں نے نہیں سُنی ہے۔ اس لیے میں اسے لوگوں کی حالت پر چھوڑتا ہوں۔ کیوں کہ کچھ لوگ بھاری جسم کے ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ہلکے جسم کے۔ (ج ۲ ص ۱۲۰)

امام مالک کے علاوہ باقی تمام ائمۂ کرام حی علی الصلاۃ کے بعد ہی کھڑے ہونے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

عمدۃ القاری میں ہے:

وقد اختلف السلف متی یقوم الناس الی الصلاۃ؟ فذهب مالک۔ وجمهور العلماء الی انه لیس لقیامهم حد۔

ترجمہ: اسلاف میں اختلاف رہا ہے کہ اقامت ہو تو نماز کے لیے کب کھڑا ہوا جائے؟ امام مالک اور جمہور علما اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اس کی کوئی متعین حد نہیں ہے۔

(۲) امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اقامت ختم ہونے پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔

اسی میں ہے:

ومذهب الشافعی وطائفة انه یستحب ان لا یقوم حتی یفرغ الموذن من الاقامة۔ ترجمہ: امام شافعی اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مکبّر جب تکبیر کہہ کر فارغ ہو جائے تب کھڑا ہونا مستحب ہے۔

ابو اسحاق بن ابراہیم شافعی (ت ۴۷۶) کی المہذب میں ہے:

اذا اراد ان یصلی فی جماعة لم یقم حتی یفرغ الموذن من الاقامة۔

ترجمہ: جماعت سے نماز پڑھیں تو جب تک موذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے کھڑے نہ ہوں۔

(ج ۳ ص ۲۵۲)

امام نووی (ت ۶۷۶) کی منہاج الطالبین میں ہے:

ولا یقوم حتی یفرغ المؤذن من الاقامة۔

ترجمہ: جب تک موذن اقامت کہہ کر فارغ نہ ہو جائے کھڑے نہ ہوں۔

(ج ۱ ص ۴۱)

(۳) امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ مکبّر قد قامت الصلاۃ کہے تب کھڑے ہوں۔

امام محفوظ بن احمد الکلوذانی (ت ۵۱۰) کی الہدایہ علی مذہب الامام احمد ج ا ص ۸۱ میں ہے:

واذا قال المؤذن: قد قامت الصلاۃ قام الی الصلاۃ الناس۔ ترجمہ: موذن جب قد قامت الصلاۃ کہے تو لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوں۔

امام ابن قدامہ (ت ۶۲۰) کی الکافی فی فقہ الامام احمد ج ا ص ۲۴۲ میں ہے:

ویستحب القیام للمکتوبۃ عند قول المؤذن: قد قامت الصلاۃ

ترجمہ: مستحب ہے کہ فرض نماز کے لیے اس وقت کھڑے ہوں جب موذن قد قامت الصلاۃ کہے۔

(۴) امام اعظم جن کے ہم مقلد ہیں اور جن کی نسبت سے حنفی کہلاتے ہیں، ان کے مذہب میں تفصیل ہے:

(۱) ہندوستان کے عام معمول کے مطابق جب موذن اور امام الگ الگ ہوں اور امام ومقتدی اقامت سے پہلے ہی مسجد میں موجود رہیں، تو امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد تینوں کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اقامت کہنے والا جب حی علی الفلاح کہے تب کھڑے ہوں۔

اصل یعنی امام محمد کی مبسوط ج ا ص ۱۹ میں ہے:

قال: اذا کان الامام معھم فی المسجد فانی احب لھم ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح۔

ترجمہ: مقتدی و امام مسجد میں ہوں تو میں ان کے لیے پسند کرتا ہوں کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو وہ صف میں کھڑے ہوں۔

امام سرخسی (ت ۴۹۰) اپنی مبسوط ج ا ص ۱۴۰ میں فرماتے ہیں:

ان کان الامام مع القوم فی المسجد فانی احب لھم ان

يقوموا في الصف اذا قال المؤذن حي على الفلاح ---وهذا اذا كان المؤذن غير الامام۔

ترجمہ: امام ومؤذن الگ الگ ہوں اور امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہوتو میں ان کے لیے پسند کرتا ہوں کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو وہ صف میں کھڑے ہوں۔

امام الفقیہ ظہیر الدین الولوالجی (ت ۵۴۰) فتاویٰ الولوالجیہ ج ۱ ص ۴۳ مطبوعہ دیوبند میں فرماتے ہیں:

ويجب على القوم ان يقوموا في الصف اذا كان الامام معهم اذا قال المؤذن حي على الصلاح /حي على الفلاح لانه حث على القيام للصلاة ---هذا اذا كان الامام معهم۔

ترجمہ: جب امام مقتدیوں کے ساتھ ہوں تو تکبیر کہنے والے کے حی علی الصلاۃ/حی علی الفلاح کہنے پر کھڑے ہوں۔ کیوں کہ حی علی الصلاۃ/حی علی الفلاح کہنا نماز کے لیے کھڑے ہونے پر برانگیختہ کرنا ہے۔

ملک العلما امام علاء الدین کاسانی (ت ۵۸۷) بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۰۰ میں لکھتے ہیں:

ان المؤذن اذا قال حي على الفلاح فان كان الامام معهم في المسجد يستحب للقوم ان يقوموا في الصف ---لنا ان قوله حي على الفلاح دعاء الى ما به فلاحهم وامر بالمسارعة اليه فلا بد من الاجابة الى ذالك ولن تحصل الاجابة الا بالفعل وهو القيام اليها فكان ينبغي ان يقوموا عند قوله حي على الصلاح لما ذكرنا غير انا نمنعهم عن القيام كي لا يلغو قوله حي على الفلاح لان من وجدت منه المبادرة الى شئ فدعاءه اليه

بعد تحصیلہ ایاہ یلغو من الکلام۔

ترجمہ: امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہوں تو قوم کے لیے مستحب ہے کہ تکبیر کہنے والا جب حی علی الفلاح کہے تو صف میں کھڑے ہوں۔ دلیل یہ ہے کہ مکبّر کا حی علی الفلاح کہنا قوم کو اس کام کے لیے بلانا ہے جس میں ان کی فلاح ہے اور اس کی تعمیل کا حکم ہے تو ضروری ہے کہ اس کی تعمیل ہو اور تعمیل کھڑے ہونے ہی میں ہے تو مناسب تھا کہ حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہوتے مگر ہم حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہونے کو منع اس لیے کر رہے ہیں کہ اس صورت میں حی علی الفلاح کہنا لغو ہو جائے گا کیوں کہ جس نے کسی کام پر سبقت کی اور وہ کام کر لیا مگر پھر بھی اس کو اسی کام کی دعوت دینا کلام کو لغو کر دینا ہے۔

امام برہان الدین (ت ۶۱۶) محیط ج ۱ ص ۳۵۳ میں فرماتے ہیں:

قال محمد فی الاصل ان کان الامام مع القوم فی المسجد فانی احب لھم ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح۔ یجب ان یعلم بان ھٰذہ المسئلۃ علی وجھین اما ان یکون المؤذن غیر الامام او یکون ھو الامام، فان کان غیر الامام وکان الامام مع القوم فی المسجد فانہ یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ۔

ترجمہ: امام محمد نے اصل میں فرمایا ہے: جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہوں تو میں ان کے لیے مستحب سمجھتا ہوں کہ مؤذن حی علی الفلاح کہیں تب کھڑے ہوں۔ یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں (الف) امام و مؤذن الگ الگ ہوں (ب) امام ہی اذان کہے۔ امام و مؤذن الگ الگ ہوں اور امام مقتدیوں کے ساتھ

مسجد میں ہوں تو ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ امام ومقتدی سبھی اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علی الفلاح کہے۔

امام عبداللہ بن محمود الموصلی (ت ٦٨٣)

الاختیار لتعلیل المختار، ج ا ص ۴۴ میں فرماتے ہیں:

اذاقال حی علی الصلاۃ قام الامام والجماعۃ۔

ترجمہ: تکبیر کہنے والا جب حی علی الصلاۃ کہے تب امام اور مقتدی کھڑے ہوں۔

حضرت برہان الشریعہ محمود المحبوبی کی وقایہ میں ہے:

ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلاۃ۔

ترجمہ: امام اور قوم حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہوں۔

امام نسفی (ت ۷۱۰) کی کنز الدقائق میں ہے:

وآدابها۔۔۔۔القیام حین قیل حی علی الفلاح۔

ترجمہ: نماز کا ایک ادب یہ ہے کہ کھڑے اس وقت ہوں جب حی علی الفلاح کہا جائے۔

امام فرید الدین (ت ۷۸۶) فتاوی تاتارخانیہ ج ۲ ص ۱۵۹ میں فرماتے ہیں:

قال محمد فی الاصل: اذاکان الامام مع القوم فی المسجد فانہ یقوم الامام والقوم اذا قال الموذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ۔۔۔ھذا اذاکان الموذن غیر الامام والامام حاضر فی المسجد۔

ترجمہ: امام محمد نے اصل میں فرمایا ہے: امام مسجد میں موجود ہو تو ہمارے تینوں اماموں کا مذہب یہ ہے کہ امام ومقتدی سبھی اس وقت کھڑے ہوں جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح کہے۔

محمد بن شہاب کردری (ت ۸۲۷) کی بزازیہ میں ہے:

دخل المسجد وهو يقيم، يقعد ولا يقف قائما الى وقت الشروع۔

ترجمہ: کوئی مسجد میں اس وقت داخل ہو جب اقامت ہو رہی ہے تو بیٹھ جائے، نماز شروع ہونے تک کھڑا نہ رہے۔ (ج ا ص ۱۹)

زین الدین بن ابراہیم (ت ۹۷۰) کی بحر الرائق میں ہے:

قوله (والقيام حين قيل حي على الفلاح) لانه امر به فيستحب المسارعة اليه۔ اطلاقه فشمل الامام والماموم ان كان الامام بقرب المحراب۔

ترجمہ: حی علی الفلاح کے ذریعے کھڑے ہونے کا حکم دیا جاتا ہے تو مستحب ہے کہ اس کی تعمیل ہو۔ متن میں کھڑے ہونے کی بات مطلق ہے تو امام ومقتدی دونوں کے لیے یہی حکم ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب امام محراب کے قریب موجود ہو۔ (ج ا ص ۵۳۱)

سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم (۱۰۰۵) کی نہر الفائق میں ہے:

(والقيام) اى قيام المصلي ولو اماما (حين قيل حي على الفلاح) مسارعة لامتثال الامر هذا اذا كان الامام بقرب المحراب۔ امام ومقتدی سب حی علی الفلاح ہی پر کھڑے ہوں تاکہ امر کی تعمیل ہو جائے، یہ اس صورت میں ہے جب امام محراب کے قریب موجود ہو (ج ا ص ۲۰۳)

فتاویٰ عالم گیری ج ا ص ۱۱۴ میں ہے:

اذا كان المؤذن غير الامام وكان القوم مع الامام فى المسجد فانه يقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح عند علمائنا الثلاثة وهو الصحيح۔

ترجمہ: موذن دوسرا ہو اور امام دوسرا، اور قوم امام کے ساتھ مسجد میں ہو تو امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب مکبّر حی علی الفلاح کہے۔ ہمارے تینوں اماموں کا مذہب یہی ہے اور یہی صحیح ہے۔

شرح مختصر الوقایہ للبرجندی میں ہے:

اذاقال المؤذن حی علی الصلاۃ فی الاقامۃ و کان الامام والقوم فی المسجد ینبغی ان یقوموا هٰذا هو المذکور فی الهدایة والوقایة۔

ترجمہ: مقتدی کے ساتھ امام بھی مسجد میں ہو تو سب لوگ اقامت میں حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہوں، ہدایہ اور وقایہ میں یہی بیان کیا گیا ہے۔ (ج۱ ص۸۶)

رمز الحقائق میں ہے:

الخامس القیام ای قیام الامام والقوم حین قیل ای یقول المؤذن حی علی الفلاح۔

ترجمہ: نماز کا پانچواں ادب یہ ہے کہ امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح کہے۔ (ج۱ ص۳۱)

نور الایضاح ومراقی الفلاح میں ہے:

ومن الادب (القیام) ای قیام القوم والامام ان کان حاضرا بقرب المحراب حین قیل ای وقت قول المقیم حی علی الفلاح۔

ترجمہ: نماز کا ایک ادب یہ ہے کہ امام محراب کے قریب موجود ہو تو مکبّر کے حی علی الفلاح کہنے پر ہی امام ومقتدی کھڑے ہوں۔

حاشیہ شلبی میں ہے:

قال فی الوجیز: والسنة ان یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح اھ ومثله فی المبتغی اھ۔

ترجمہ: وجیز میں ہے: سنت یہ ہے کہ امام اور قوم اس وقت کھڑے ہوں جب مکبّر حی علی الفلاح کہے۔ مبتغی میں بھی اسی طرح ہے۔ (ج ا ص ۲۸۳)

مالا بدمنہ از حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی میں ہے:

طریقۂ خواندن نماز برو جه سنت آنست که اذان گفته شود واقامت ونزد حی علی الصلاة امام برخیزد۔

ترجمہ: سنت کے مطابق نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اذان واقامت کہی جائے اور امام حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہوں۔ (ص ۳۱)

(۲) امام مسجد سے باہر ہو اور مکبّر تکبیر شروع کردے اور امام غیر قبلہ کی طرف سے آئے جیسا کہ کبھی کبھی ہو جاتا ہے تو حکم یہ ہے کہ سارے مقتدی بیٹھے رہیں، بس امام جس جس صف سے گزریں اُس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔

مبسوط امام سرخسی میں ہے:

و کذالک بعد فراغه من الاقامة مالم یدخل المسجد لایقومون فاذااختلط بالصفوف قام کل صف جاوزهم حتی ینتهی الی المحراب۔

ترجمہ: یوں ہی اقامت ختم ہو جانے پر جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو جائے مقتدی بیٹھے رہیں جب آ کر مسجد میں داخل ہو تو جس جس صف سے گزرے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں یہاں تک کہ امام محراب میں پہنچ جائے۔

فتاوی عالم گیری ج ا ص ۱۱۴ میں ہے:

اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل من قبل الصفوف فکلما جاوز صفاً قام ذالک الصف۔

ترجمہ: امام مسجد سے باہر ہو اور صفوں کی طرف سے آ رہا ہو تو جس صف سے گزرے اُس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں۔

(۳) یہ صورت بھی کبھی ہو جاتی ہے کہ امام ہی تکبیر کہتے ہیں، اس صورت میں حکم یہ ہے کہ مقتدی بیٹھے رہیں کھڑے نہ ہوں، جب امام پوری تکبیر کہ لیں تب کھڑے ہوں۔

مبسوط امام سرخسی میں ہے:

فان کان هو الامام لم یقوموا حتی یفرغ من الاقامة لانهم تبع للامام و امامهم الآن قائم للاقامة لا للصلاة۔

ترجمہ: امام ہی تکبیر کہے تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں؛ کیوں کہ مقتدی امام کے تابع ہیں اور امام ابھی نماز کے لیے کھڑے نہیں ہیں، اقامت کے لیے کھڑے ہیں۔

فتاوی عالم گیری ہی کی ج ا ص ۱۱۴ میں ہے:

وان کان المؤذن والامام واحداً فان اقام فی المسجد فالقوم لا یقومون مالم یفرغ من الاقامة۔

ترجمہ: مسجد میں امام ہی تکبیر کہے تو مقتدی بیٹھے رہیں جب امام تکبیر سے فارغ ہو جائے تب کھڑے ہوں۔

بحر الرائق ج ا ص ۳۲۱ میں ہے:

فان کان واحداً و اقام فی المسجد فالقوم لا یقومون حتی یفرغ من الاقامة کذا فی الظهیریة۔

ترجمہ: امام ہی مسجد میں تکبیر کہے تو جب تک امام تکبیر کہ کر فارغ نہ ہو مقتدی کھڑے نہ ہوں جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔

(۴) اور جن صورتوں میں امام ہو یا مقتدی جن کے لیے بیٹھے رہنے کا حکم ہے، اگر وہ کھڑے رہیں گے تو کراہت کے مرتکب ہوں گے۔

محرر مذہب امام محمد نے مبسوط میں لکھا ہے:

واما اذا لم یکن الامام معھم فی المسجد فاننی اکرہ لھم ان یقیموا فی الصف والامام غائب عنھم۔

ترجمہ: جب مقتدیوں کے ساتھ امام مسجد میں موجود نہ ہو تو میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ مقتدی حضرات امام کے آنے سے پہلے ہی کھڑے ہو جائیں۔

امام سرخسی کی مبسوط میں ہے:

اذا لم یکن الامام معھم فی المسجد یکرہ لھم ان یقوموا فی الصف جتی یدخل الامام لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام لا تقوموا فی الصف حتی ترونی خرجت، وان علیا رضی اللہ تعالی عنہ دخل المسجد فرأی الناس قیاما ینتظرونہ فقال مالی أراکم سامدین ای واقفین متحیرین۔

ترجمہ: جب امام مسجد میں مقتدیوں کے ساتھ موجود نہ ہو، تو جب تک امام نہ آجائے مقتدیوں کے لیے صف میں کھڑا ہو جانا مکروہ ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تک نماز کے لیے میری تشریف آوری دیکھ نہ لو، کھڑے مت ہو جایا کرو۔ اور حضرت علی ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگ کھڑے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس پر فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تم لوگوں کو حیران کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ (ج ۱ ص ۱۴۱)

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

اذا دخل الرجل عند الاقامة يكره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذا بلغه الموذن فی قوله حی علی الفلاح كذا في المضمرات۔

ترجمہ: جو شخص اقامت کے وقت آئے اس کے لیے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ وہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑا ہو جیسا کہ مضمرات میں ہے۔ (ہندیہ ج ۱ ص ۱۱۴)

ردالمحتار میں ہے:

ويكره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المؤذن حي على الفلاح۔ ترجمہ: کوئی تکبیر شروع ہو جانے کے بعد بھی مسجد میں آئے تو بھی اس کے لیے کھڑے رہ کر نماز شروع ہونے کا انتظار کرنا مکروہ ہے۔ وہ بیٹھ جائے پھر جب مکبّر حی علی الصلاۃ پر پہنچے تو کھڑا ہو۔ (ج ۲ ص ۶۵)

عمدۃ الرعایہ میں ہے:

وفيه اشارة الى انه اذا دخل المسجد يكره له انتظار الصلاة قائما بل يجلس في موضع ثم يقوم عند حي على الفلاح وبه صرح في جامع المضمرات۔

متن کی عبارت میں اشارہ ہے کہ آدمی جب مسجد میں داخل ہو تو اس کے لیے کھڑے ہو کر نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے۔ بلکہ بیٹھ جائے پھر حی علی الفلاح پر کھڑا ہو۔

سوالات وجوابات

سوال: کہا جاتا ہے کہ علامہ طحطاوی نے لکھا ہے کہ حی علی الفلاح کے بعد کھڑا نہ ہو، اس سے پہلے کھڑے ہوجانے میں حرج نہیں چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

والظاهر انه احتراز عن التاخير لا التقديم حتى لو قال اول الاقامة لا بأس۔

ترجمہ: مکبّر کے حی علی الفلاح کہنے پر لبّیک کہتے ہوئے امام ومقتدی سب کھڑے ہوجائیں، اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو مستحب کہنا تاخیر سے روکنا ہے، نہ کہ ابتدائے اقامت میں کھڑے ہونے سے روکنا۔ لہٰذا کوئی ابتدائے اقامت ہی میں کھڑا ہوجائے تو اس میں حرج کی کوئی بات نہیں۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ علامہ طحطاوی نے اس عبارت کے اختتام پر "**وحرر**" لکھا ہے، جو غور وفکر کی دعوت پر دال ہے، جسے قائل نے چھوڑ دیا ہے جس سے اس کی نیت کا پتہ چلتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ محض لغت دیکھ کر قانونی اور اصطلاحی الفاظ کی مراد متعین نہیں ہوسکتی، ورنہ قرآن کریم میں مذکور لفظ ''صلوٰۃ'' جس کا مطلب قانون واصطلاح شرع میں ''نماز'' ہے۔ اس سے اس کا لغوی معنیٰ ''دعا'' مراد لینے کا دروازہ کھل جائے گا۔

فقہائے متاخرین کا کسی ''تعلیل'' سے **الظاهرا نہ** کہ کر تفریع کرنا مذہب بیان کرنا نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ کبھی اس تعلیل پر اعتراض کرنا اور اپنے شک وشبہہ

کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔ حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

دریں عبارت لفظ "ظاہر" دلالت بو قوع شک می کند ولا قول للشاک۔

ترجمہ: اس عبارت میں لفظ ''ظاہر'' یہ بتاتا ہے کہ مصنف کو شک ہو رہا ہے اور جس بات میں شک ہو، وہ قول نہیں ہوتا۔

دراصل ''**الظاهر**'' کہہ کر علامہ طحطاوی نے حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کی علت ''محض مسارعۃ لامتثال الامر'' بتانے پر اعتراض کیا ہے کہ اس سے دھوکا ہو رہا ہے کہ اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے پر حرج نہ ہو۔ حالاں کہ اس وقت کھڑا ہو جانا مکروہ ہے۔ چنانچہ خود علامہ طحطاوی نے ہی اپنی دوسری کتاب طحطاوی علی المراقی میں فرمایا ہے:

واذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ ودخل رجل المسجد فانه يقعد ولا ينتظر قائما فانه مكروه كما فی المضمرات" قهستانی "-ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الاقامة، والناس عنه غافلون۔

ترجمہ: اس وقت کوئی مسجد میں آئے جب موذن اقامت کہنے لگے، تو بیٹھ جائے کھڑا ہو کر انتظار نہ کرے؛ کیوں کہ ایسا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے " قہستانی "۔اس سے مفہوم ہو رہا ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ (ص ۲۷۷)

سوال: حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو فقہا نے آداب نماز میں شمار کیا ہے جن کے بجا نہ لانے پر کوئی عتاب بھی نہیں ہے، تو اقامت کے شروع میں کھڑا ہو جانا مکروہ کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب: جس طرح مکروہ تنزیہی کا اطلاق سنت غیر موکدہ وزائدہ کے خلاف

پر ہوتا ہے ایسے ہی کبھی ادب و مستحب کے خلاف یعنی خلاف اولی پر۔

بحر الرائق میں ہے:

ان المکروہ تنزیہا مرجعه خلاف الاولی۔

ترجمہ: بے شک مکروہ تنزیہی کا مرجع خلاف اولی ہے۔(ج ۲ ص ۷۵)

ردالمحتار میں ہے:

قدمنا ان ترک المستحب مکروہ تنزیہا۔

ترجمہ: ہم پہلے بیان کر چکے کہ مستحب کو چھوڑ دینا مکروہ تنزیہی ہے۔(ج ۱ ص ۲۲۳)

بلکہ کبھی مباح پر بھی اطلاق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے:

الظاھر انه اراد بالمباح مالا یمنع فلا ینافی کراھة التنزیه۔ ظاہر یہ ہے کہ مصنف نے یہاں مباح کہہ کر غیر ممنوع مراد لیا ہے جو کراہۃ تنزیہ کا منافی نہیں۔(ج ۲ ص ۲۶)

اسی طرح لفظ ادب و مستحب کا اطلاق کبھی سنت زائدہ پر ہوتا ہے تو کبھی علما و مشائخ کے عمل کی متابعت پر بھی، چنانچہ:

درمختار میں ہے:

(ومستحبه) ویسمّی مندوبا وادبا وفضیلة وھو مافعله النبی صلی اللہ علیه وسلم مرة وترکه اخری ،وما احبه السلف۔ ترجمہ: مستحب جس کو مندوب، ادب اور فضیلت بھی کہا جاتا ہے، یہ ہے کہ اسے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گاہے بگاہے کیا ہو یا سلف نے پسند کیا ہو۔

نورالانوار میں ہے:

ان المستحب مااحبه العلما۔

ترجمہ: مستحب وہ ہے جسے علما نے پسند فرمایا ہو۔

جو ادب سنت غیر موکدہ ہے اس کے خلاف عمل کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور جو ادب سنت غیر موکدہ نہیں، محض علما و مشائخ کا پسندیدہ ہو، اس کے خلاف عمل کرنے پر عتاب نہیں ہوتا ہے۔ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا ایسا ادب ہے جو سنت غیر موکدہ ہے۔ جیسا کہ ہم مالا بدمنہ اور حاشیۂ شلبی کے حوالوں سے نقل کر آئے کہ:

طریقۂ خواندن نماز بروجہ سنت آنست کہ اذان گفتہ شود و اقامت و نزد حی علی الصلاۃ امام برخیزد۔

ترجمہ: سنت کے مطابق نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اذان واقامت کہی جائے اور امام حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہوں۔

(مالا بدمنہ ص ۳۱)

قال فی الوجیز: والسنۃ ان یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح اھ ومثلہ فی المبتغی اھ۔

ترجمہ: وجیز میں ہے: سنت یہ ہے کہ امام اور قوم اس وقت کھڑے ہوں جب مکبّر حی علی الفلاح کہے۔ مبتغی میں بھی اسی طرح ہے۔ (شلبی ج ۱ ص ۲۸۳)

لہٰذا اس کے خلاف عمل کرنے پر کراہت تنزیہی کا حکم صحیح ہے۔ جیسا کہ طحطاوی علی الدر میں ہے:

فالترک۔۔۔ان کانت سنۃ زائدۃ او مافی حکمھا من الادب ونحوہ یکرہ تنزیھا۔

ترجمہ: سنت زائدہ یا جو اس کے حکم میں ہے جیسے ادب وغیرہ، ان کے خلاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا ہونے کو مکروہ قرار دینے کے سلسلے

میں صاحب مضمرات سے پہلے کسی کا قول نہیں ملتا۔ دراصل صاحب مضمرات کو اس مسئلے کے استنباط میں تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے حضرت علی کے جس اثر سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے اس اثر کو امام ابن شیبہ نے مصنف میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

خرج علی وقد اقیمت الصلاۃ وھم قیام ینتظرونہ فقال: مالی اراکم سامدین

آپ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ تمہیں کھڑے ہو کر میرا انتظار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ: **لاتقوموا حتی ترونی**۔ یعنی اس وقت تک مت کھڑے ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ امام اگر موجود نہ ہو تو امام کے انتظار میں کھڑا نہ ہونا چاہیے، اسی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کو منع فرمایا تھا۔ حضرت علی کے قول سے معلوم ہوا کہ کراہت کا قول اس صورت میں ہے جب امام مسجد میں نہ ہو، ورنہ کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے۔ جیسا کہ امام محمد نے اپنی کتاب المبسوط میں لکھا:

واما اذا لم یکن الامام معھم فی المسجد فاننی اکرہ لھم ان یقوموا فی الصف والامام غائب عنہ۔

جب امام مسجد میں نہ ہو بلکہ مسجد سے باہر ہو تو میں صف میں کھڑے ہونے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔

جواب: یہی حدیث مصنف عبدالرزاق میں بھی ہے جیسا کہ شروع میں نقل کر چکا ہوں۔ اس کے الفاظ ہیں:

ان علیا خرج علیھم حین اقیمت الصلاۃ وھم قیام فقال مالکم سامدین؟

ترجمہ: اقامت ہوتے وقت حضرت علی تشریف لائے، تو لوگوں

کو دیکھا کہ کھڑے ہیں۔اس پر فرمایا: تم لوگ کیوں متحیر کھڑے ہو؟
(ج ۱ ص ۵۰۴)

بہر کیف! قائل نے اپنی اس عبارت میں بیک وقت کئی دعوے کیے ہیں:

(۱) صاحب مضمرات کا ابتدائے اقامت میں کھڑے ہونے کو مکروہ کہنا ان کا تسامح ہے۔

(۱) صاحب مضمرات سے پہلے کراہت کا قول نہیں ملتا۔

(۳) صاحب مضمرات نے حضرت علی کے جس اثر سے کراہت ثابت کرنی چاہی ہے وہ اس اثر سے ثابت نہیں ہوتی ہے۔

(۴) امام مسجد میں ہو تو مکروہ نہیں۔

پہلے دعوے کے تعلق سے عرض ہے کہ جب اقامت کی ابتدا میں کھڑا نہ ہونا سنت غیر موکدہ ہے جیسا کہ **مالابدمنہ** اور **طحطاوی علی الدر** کے حوالوں سے مذکور ہو چکا اور سنت غیر موکدہ کے خلاف عمل کرنا مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ علامہ طحطاوی ہی کے حوالہ سے گذر چکا تو صاحب مضمرات کا اس کو مکروہ لکھنا ان کا تسامح کیسے ہے؟

دوسرے دعوے کے تعلق سے عرض ہے کہ کوئی بات کسی کو نہ ملنے اور اس کے نہ ہونے میں جو فرق ہے اس سے شاید معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی بے خبر نہیں ہوگا۔صاحب مضمرات آٹھویں صدی کے اواخر اور نویں صدی کے اوائل میں فقہ حنفی کے عظیم فقیہ تھے اور حضرت حسن بصری (۱۱۰-۲۱)، ابن سیرین (۱۱۰-۳۳) اور معاویہ بن قرہ (۱۱۳-۳۶) کبار تابعین اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کے دادا استاذ تھے۔اب آپ ہی فیصلہ کیجے کہ پہلے صاحب مضمرات نے لکھا ہے یا امام اعظم کے ان دادا استاذوں اور کبار تابعین نے فرمایا ہے؟

تیسرے دعوے کے تعلق سے عرض ہے کہ جیسے اس اثر میں یہ ہے کہ امام (حضرت علی) مسجد سے باہر تھے ایسے ہی حضرت قتادہ سے مروی حدیث: **''لاتقوموا حتی ترونی''** میں بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر ہی تھے۔تو پھر حضرت انس بن

الک، حضرت امام حسین اور حضرت عطا کیوں مطلقاً حی علی الصلاۃ/حی علی الفلاح
پر کھڑے ہوتے تھے؟ حضرت عبداللہ بن عمر نے مسجد میں ہوتے ہوئے ابتدائے
اقامت میں کھڑے ہو جانے والوں کو کیوں بٹھا دیا تھا؟ اور حضرت حسن بصری، حضرت
ابن سیرین اور حضرت معاویہ بن قرہ کے بقول عامۂ تابعین پہلے کھڑے ہو جانے کو
کیوں مکروہ سمجھتے تھے جیسا کہ مذکور ہوا؟

اسی طرح امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کیسے حی
علی الصلاۃ کے بعد ہی کھڑے ہونے کو مستحب قرار دیتے ہیں؟

بات یہ ہے کہ کوئی خاص قرینۂ صارفہ نہ ہو تو عموم لفظ کے بالمقابل خصوص سبب
کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔

فتح القدیر کتاب الایمان ج ۵ ص ۸۴، بحر الرائق باب الیمین فی الدخول ج ۴
ص ۵۰۲ اور شلبی علی التبیین باب شروط الصلاۃ ج ۱ ص ۲۵۳ وغیرہ میں ہے:

ان للعبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔

ترجمہ: اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے چاہے اس کا سبب خاص ہی
کیوں نہ ہو۔

شارع علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشاد گرامی: "**لا تقوموا حتی ترونی**"
میں رویت، خروج کو مستلزم ہے اسی لیے مبسوط سرخسی میں "**ترونی**" کے بعد "**خرجت**"
فرمایا ہے۔ اور خروج اس وقت ہوتا تھا جب مکبّر حی علی الفلاح کہتے تھے جیسا کہ مشکوٰۃ
شریف کے شارح شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی اور ترمذی شریف کے محشّی نے لمعات
کے حوالے سے لکھا ہے:

وشاید کہ بیروں آمدن آں حضرت دریں وقت می بود۔

ترجمہ: شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکبّر کے حی علی الصلاۃ/حی علی
الفلاح کہنے کے وقت ہی تشریف لاتے۔ (اشعۃ اللمعات

ج ۱ ص ۳۲۱)

یحتمل انه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یخرج عند هذا القول۔

ترجمہ: احتمال ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکبّر کے حی علی الصلاۃ/حی علی الفلاح کہتے وقت تشریف لاتا ہوں (حاشیۂ ترمذی ج ۱ ص ۷۶)

تو حدیث کا مقصود یہ ہوا کہ جب تک مکبّر حی الفلاح نہ کہے تم لوگ کھڑے مت ہوا کرو۔

اسی لیے علامہ پانی پتی اور شلبی نے حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو سنت کہا ہے ،اور حضرت حسن بصری، حضرت ابن سیرین نیز عامۂ تابعین پہلے کھڑے ہو جانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

چوتھے دعوے کے تعلق سے عرض ہے کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ امام مسجد میں ہو تو مکروہ نہیں ہے؟ اگر حدیث میں عبارت النص نہ ہونا ہی دلیل ہو تو جمہور امت نے امام کے مسجد میں ہوتے ہوئے بھی حی علی الصلاۃ کے بعد ہی کھڑے ہونے کا حکم کیسے دیا ہے؟

سوال: اگر اول اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے تو کیا حضرت عمر بن عبدالعزیز، محمد بن کعب القرظی، سالم بن عبداللہ بن عمر، ابوقلابہ، عراک بن مالک، زہری اور سلیمان بن حبیب محاربی رضی اللہ عنہم جیسے تابعین جو ابتدائے اقامت میں کھڑے ہو جایا کرتے تھے ،کراہت کا ارتکاب کرتے تھے؟

جواب: یہ تو کراہت تنزیہی کا معاملہ ہے تابعین میں تو واجب وفرض اور مکروہ تحریمی وحرام تک کے معاملوں میں اختلاف رہا ہے۔ تابعین ہی نہیں ائمۂ مجتہدین کے درمیان بھی اختلافات رہے ہیں۔ تو کیا ان اختلافات کا سہارا لے کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرات فرض کے تارک یا حرام کے مرتکب تھے؟ کراہت کا حکم تو اس کے لیے ہے جو اپنے آپ کو امام اعظم ابوحنیفہ کا مقلد مانتا ہے اور اپنے کو حنفی کہلاتا ہے۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ چوں کہ مختلف فیہ ہے حضرت سعید بن مسیب ابتدائے

اقامت میں کھڑے ہوجانے کو واجب مانتے تھے جیسا کہ علامہ ابن حجر شافعی نے فرمایا ہے:

عن سعید بن المسیب قال: اذا قال المؤذن اللّٰہ اکبر وجب القیام واذا قال حی علی الصلاۃ عدلت الصفوف واذا قال لا الٰہ الا اللّٰہ کبّر الامام۔

ترجمہ: مکبّر اللہ اکبر کہے تو کھڑا ہوجانا واجب ہے، اور جب حی علی الصلاۃ کہے تو صفیں درست کرلی جائیں اور جب لا الٰہ الا اللہ کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے (فتح الباری ج ۲ ص ۱۲۰)

اور صوفیائے کرام چوں کہ احتیاط پر عمل فرما ہوتے ہیں اس لیے وہ ابتدائے اقامت ہی پر کھڑے ہوجاتے ہیں کیوں کہ ترک استحباب ترک وجوب سے اولیٰ واعلیٰ ہے۔

جواب: جو حضرات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "لاتقوموا حتی ترونی" اور اس سے ماخوذ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے "اثر": دخل المسجد فرأی الناس قیاما ینتظرونہ فقال: مالی أراکم سامدین: سے ابتدائے اقامت میں کھڑے ہونے کی کراہت تنزیہی کے استنباط کو غلط قرار دیتے ہیں، خود ان حضرات کے پاس حضرت سعید بن مسیب کے ابتدائے اقامت پر کھڑے ہونے کے وجوب کی کونسی دلیل ہے؟

"وجب" کا لفظ دیکھ کر وجوب اصطلاحی یعنی حکماً فرض سے کم اور سنت موکدہ سے بڑھا ہوا سمجھنا فقاہت سے بہت دور ہے۔ دراصل یہاں "وجب" کے معنی "ثبت" کے ہیں جیسا کہ:

المنجد میں ہے:

وجب الشئ: ثبت۔

ترجمہ: فلاں چیز واجب ہوئی یعنی ثابت ہوئی۔

حدیث پاک میں ہے:

وجب اجرنا علی اللّٰہ۔

ترجمہ: اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر واجب ہو گیا۔ (بخاری)

اس کی تعلیق مصطفیٰ البغا میں ہے:

ثبت واستحق بفضل اللّٰہ تعالی۔

یعنی ثابت ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے استحقاق حاصل ہوا۔

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

وجب اجرہ ای ثبت وتحقق: ترجمہ: اس کا اجر واجب ہو گیا یعنی ثابت ہوا۔

فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۴ میں ہے:

وجب القضا ای ثبت۔ قضا واجب ہے یعنی ثابت ہے۔

الحاصل

(۱) اقامت شروع ہونے سے پہلے کھڑے ہوجانے اور حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہونے کے سلسلے میں احادیث مختلف ہیں:

(الف) ایک مرتبہ مکبّر کے تکبیر شروع کرتے ہی صحابہ نے کھڑے ہوکر صفوں میں اپنی جگہیں بنالیں، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔

(ب) ایک بار مکبّر نے تکبیر شروع کی اور جب حی الصلاۃ/حی علی الفلاح پر پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔

(ج) جب مکبّر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھتا تب تکبیر کہتا۔

(د) مکبّر جب قد قامت الصلاۃ کہتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے۔

(ہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف آوری سے پہلے کھڑے ہونے کی ممانعت فرمائی۔

(۲) شارحین حدیث نے فرمایا ہے کہ جن حدیثوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی اقامت ہونے اور صحابہ کے کھڑے ہوجانے کا تذکرہ ہے، وہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے سے پہلے کی بات ہے یا کسی عذر کے سبب ایسا ہوا تھا یا پھر یہ بتانے کے لیے کہ ناجائز یہ بھی نہیں ہے اگرچہ بہتر نہیں۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ میں کسی اختلاف کا پتہ نہیں چلتا۔ حضرت انس بن مالک اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما قد قامت الصلاۃ پر کھڑے ہوتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر نے ابتداے اقامت پر کھڑے ہوئے

لوگوں کو بٹھا دیا اور فرمایا کہ جب مکبّر قدقامت الصلاۃ پر پہنچے تب کھڑے ہوا کرو۔اور حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے پہلے کھڑے ہو جانے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

(۴) صحابہ کے بعد تابعین میں معدود چند کو چھوڑ کر جمہور کا عمل بھی اسی پر تھا کہ وہ حی علی الصلاۃ سے پہلے کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے۔ بلکہ حضرت حسن بصری، حضرت ابن سیرین اور حضرت ابن قرہ کے بقول عام تابعین اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔

(۵) ائمۂ مجتہدین میں بھی امام مالک کو چھوڑ کر باقی تمام ائمہ جن میں سرخیل امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم ہیں، ان کا مذہب یہی ہے کہ حی علی الصلاۃ سے پہلے کھڑا نہ ہوا جائے۔امام مالک کا اختلاف بھی اس لیے ہے کہ اس تعلق سے اُن تک کوئی حدیث نہیں پہنچی۔

(۶) الغرض سنت یہی ہے کہ مکبّر جب حی علی الصلاۃ/علی الفلاح کہے تب لوگ کھڑے ہوں۔مگر چوں کہ یہ سنت مستمرہ نہیں اس لیے غیر مؤکدہ ہے، جس کو ادب بھی کہتے ہیں۔

(۷) سنت غیر موکدہ کے خلاف کرنا گناہ تو نہیں مگر مکروہ تنزیہی ضرور ہے۔

حسام الحرمین کے حکم، مصدقین حسام کی تصدیقات پہ اعتراض اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کے حوالہ سے امام احمد رضا کے کف لسان پہ شبہات وتشکیک زدہ انسانوں کی خدمت میں ایک علمی تحقیقی اور دعوتی کتاب

بنام

علمائے دیوبند کی تکفیر کیوں؟

مصنفہ

فقیہہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

ناشر

القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ ٦

Masa'lay-e-Azano Eqamat Ka Sahih Nazaria

BY: MUFTI MOTIURRAHMAN RAZVI

جامعہ نوریہ شام پور



یہ ادارہ مغربی بنگال میں اپنی نوعیت کا منفرد اور مرکزی ادارہ ہے لہذا اپنی نظر عنایات جامعہ کے تعمیری و تعلیمی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچائیں۔

امداد کے طریقے

(۱) کوئی کمرہ بنوائیں (۲) ایک طالب علم کی کفالت فرمائیں (۳) ایک مدرس کی تنخواہ کی ذمہ داری لیں (۴) درسی وغیر درسی کتابیں یا کمپیوٹر وقف فرمائیں (۵) زکوۃ فطرہ و دیگر عطیات دیں یا دلوائیں (۶) یا کم از کم حمایت فرمائیں۔

Design & Printed : Ahmad Publications Pvt. Ltd. Patna # 8521889323